اللہ کے کرم سے فیضِ شہِ امم سے | Nepal Urdu Times | ہیں خوب تیرے چرچے نیپال اردو ٹائمز | nepalurdutimes | تیرے لیے دعا یہ رمضان کر رہا ہے | nepalurdutimes | Nepal Urdu Times | تا حشر یوں ہی چمکے نیپال اردو ٹائمز | www.nepalurdutimes.com

بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال بفیض روحانی : مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

Reg.No: 5310 -2082/2083

ہفت روزہ نیپال اردو ٹائمز

Weekly The NEPAL URDU TIMES

eSewa

شمارہ نمبر ۹۳ ISSUE (93)

11 / جون 2026 مطابق 24 / ذی الحجہ 1447ھ / 28 گتے جیٹھ 2083

صفحات 13

چیف ایڈیٹر: عبد الجبار علیمی نظامی
weeklynepalurdutimes@gamil.com

جلد نمبر ۱ VOL:(1)

سرحدی تنازع میں برطانیہ سے ثالثی نہیں مانگی: وزیر خارجہ

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو وزیر خارجہ نارایان کاجی شریشتھا "خانل" نے کہا ہے کہ "سرحدی تنازع میں برطانیہ سے ثالثی نہیں مانگی"۔ خانل نے کہا کہ نیپال اپنے پڑوسی ملک کے ساتھ سرحدی مسائل دوطرفہ سفارتی چینلز اور تکنیکی مکالمے کے ذریعے حل کرنے کے اصولی مؤقف پر قائم ہے۔ گزشتہ کچھ ہفتوں سے سوشل میڈیا اور کچھ غیر مصدقہ رپورٹس میں یہ چہ میگوئیاں چل رہی تھیں کہ نیپال نے اپنے سرحدی تنازع کے حل کے لیے برطانیہ سے ثالثی کی درخواست کی ہے۔ یہ خبریں ایسے وقت میں سامنے آئیں جب نیپال اور پڑوسی ملک کے درمیان سرحدی علاقوں پر تکنیکی سطح کے مذاکرات جاری ہیں۔ کاٹھمانڈو میں میڈیا بریفنگ کے دوران وزیر خارجہ خانل نے ان رپورٹس کو سختی سے مسترد کیا۔ یہ خبر بالکل بے بنیاد ہے۔ ہم نے برطانیہ یا کسی اور ملک سے سرحدی تنازع پر ثالثی نہیں مانگی۔ انہوں نے کہا کہ نیپال کا واضح اصولی

موقف ہے کہ سرحدی مسائل تاریخی حقائق، نقشوں اور تکنیکی جائزے کی بنیاد پر دوطرفہ بات چیت سے حل ہونے چاہئیں۔ ہم اپنے پڑوسی کے ساتھ کھلی اور باعزت گفتگو کے ذریعے مسئلے کو حل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، وزیر خارجہ نے بتایا کہ سرحدی امور پر کام کرنے والی مشترکہ ٹیکنیکل ٹیمیں دونوں ممالک کے درمیان فعال ہیں اور باقاعدگی سے ملاقاتیں کر رہی ہیں۔ یہ ٹیمیں فیلڈ سروے، پرانے نقشے اور تاریخی دستاویزات کا جائزہ لے رہی ہیں۔ ہمیں کسی تیسرے فریق کی ثالثی کی ضرورت نہیں ہے۔ وزیر خارجہ نے کہا کہ حکومت کا مؤقف ہمیشہ یہی رہا ہے کہ سرحدی معاملات حساس نوعیت کے ہیں اور انہیں میڈیا یا بیرونی دباؤ کے بجائے سفارتی چینلز کے ذریعے حل کیا جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ عوام میں غیر ضروری قیاس آرائیاں نہ پھیلیں اور بات چیت کا ماحول خراب نہ ہو

ہم اثاثوں کی تفصیلات جمع کر کے تحقیقاتی کمیشن سے تعاون کریں گے: گگن تھاپا

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپالی کانگریس کے جنرل سیکریٹری گگن تھاپا نے کہا ہے کہ "ہم اثاثوں کی تفصیلات جمع کر کے تحقیقاتی کمیشن سے تعاون کریں گے"۔ تھاپا نے کہا کہ اگر کمیشن نے عوامی عہدیداروں کے اثاثوں کی جانچ کا مطالبہ کیا تو وہ قانون کے مطابق مکمل شفافیت برتیں گے اور کمیشن کو درکار تمام معلومات فراہم کریں گے۔ حالیہ دنوں میں

نیپال میں کئی وزرا اور اعلیٰ سرکاری افسران کے اثاثوں پر سوالات اٹھے ہیں۔ اینٹی کرپشن کمیشن نے کچھ رہنماؤں کو طلب بھی کیا ہے۔ اسی پس منظر میں گگن تھاپا نے کاٹھمانڈو میں صحافیوں سے گفتگو کی۔ تھاپا نیپالی کانگریس کے جنرل سیکریٹری ہیں اور نوجوان قیادت میں شمار ہوتے ہیں۔ تھاپا نے کہا کہ عوامی عہدیداروں کو اپنے اثاثے ظاہر کرنے چاہئیں اور اگر کسی پر بدعنوانی کا شک ہو تو غیر جانبدارانہ تحقیقات ہونی چاہئیں۔ "ہم نے ہمیشہ شفافیت کی بات کی ہے۔ کمیشن طلب کرے گا تو ہم اثاثوں کی مکمل تفصیلات جمع کرا دیں گے۔ انہوں نے زور دیا کہ تحقیقات کا مقصد سیاسی انتقام نہیں بلکہ نظام پر عوام کا اعتماد بحال کرنا ہونا چاہیے۔ "اگر سب پر یکساں معیار لگے گا تو عوام کو انصاف پر یقین آئے گا۔ اگر کسی ایک کو بچایا جائے گا تو پورے نظام پر سوال اٹھے گا۔ تھاپا نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اینٹی کرپشن کمیشن کو آزادانہ کام کرنے دیا جائے اور کسی رہنما پر سیاسی دباؤ نہ ڈالا جائے۔ انہوں نے کہا کہ کمیشن کو سیاسی وابستگی دیکھے بغیر کارروائی کرنی چاہیے۔ انہوں نے اپنی پارٹی کے کارکنوں کو بھی ہدایت کی کہ وہ کمیشن کے ساتھ تعاون کریں اور کسی قسم کی رکاوٹ نہ بنیں۔ شفافیت ہماری طاقت ہے، اس سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے

خامنہ ای کی تدفین کی تاریخ کا اعلان

تہران: (ایجنسیاں) ایران کی نیم سرکاری خبر رساں ایجنسی مہر نیوز کی ایک رپورٹ کے مطابق، ملک کے سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای کی تدفین اور آخری رسومات کی تیاریوں کے حوالے سے قائم سرکاری کمیٹی نے نئی معلومات جاری کی ہیں۔ کمیٹی کے بیان میں کہا گیا ہے کہ آخری رسومات اور تدفین کا پروگرام محرم الحرام کے پہلے دس دن مکمل ہونے کے بعد منعقد کیا جائے گا۔ رپورٹ کے مطابق، آیت اللہ علی خامنہ ای کی یادگار سے متعلق تشکیل دی گئی خصوصی کمیٹی نے منگل کو اپنا دوسرا سرکاری بیان جاری کیا۔ بیان میں کہا گیا کہ تعزیتی تقریبات، نمازِ جنازہ اور تدفین کے تمام مراحل کو مکمل وقار اور احترام کے ساتھ انجام دینے کے لیے وسیع پیمانے پر تیاریاں جاری ہیں۔ مختلف سرکاری ادارے اور متعلقہ تنظیمیں اس عمل کے باہمی رابطے اور انتظامات میں مصروف ہیں تاکہ پروگرام منظم انداز میں مکمل ہو سکے۔ کمیٹی نے اپنے بیان میں ملکی اور بین الاقوامی میڈیا میں گردش کرنے والی ان قیاس آرائیوں اور غیر مصدقہ خبروں پر بھی تشویش کا اظہار کیا جن میں آخری رسومات کے وقت اور پروگرام کے بارے میں مختلف دعوے کیے جا رہے تھے۔ کمیٹی نے واضح کیا کہ ایسی اطلاعات کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں ہے اور عوام کو صرف سرکاری اعلانات پر ہی اعتماد کرنا چاہیے۔ بیان میں کہا گیا کہ غلط معلومات کی وجہ سے ان افراد میں الجھن پیدا ہو رہی ہے جو تعزیتی تقریبات میں شرکت کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے کمیٹی نے عوام اور ذرائع ابلاغ سے اپیل کی ہے کہ وہ غیر مصدقہ خبروں کے پھیلاؤ سے گریز کریں اور صرف سرکاری اعلانات کا انتظار کریں۔ کمیٹی کے مطابق، آیت اللہ علی خامنہ ای کی یہ دیرینہ روایت اور عقیدہ رہا ہے کہ امام حسینؓ کی یاد میں منائے جانے والے محرم کے ایامِ عزا کا خصوصی احترام کیا جائے۔ اسی روایت کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ نمازِ جنازہ اور تدفین کی رسومات عاشورہ کے بعد، یعنی محرم الحرام کے پہلے دس دن مکمل ہونے پر ادا کی جائیں گی۔ اس کے ساتھ ہی متعلقہ انتظامی محکموں اور عوامی تنظیموں کو ہدایت دی گئی ہے کہ سوگوار خاندانوں اور تعزیت کے لیے آنے والے افراد کے لیے تمام ضروری سہولیات فراہم کی جائیں۔ کمیٹی نے کہا کہ پروگرام کے تفصیلی شیڈول، مقام اور دیگر انتظامات سے متعلق سرکاری معلومات بعد میں جاری کی جائیں گی۔ رپورٹ میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ ۲۸ فروری کو امریکہ اور اسرائیل کی جانب سے ایران پر کیے گئے مشترکہ حملے میں آیت اللہ علی خامنہ ای سمیت کئی اعلیٰ فوجی افسران اور شہری ہلاک ہو گئے تھے۔ اسی تناظر میں آخری رسومات کی تیاریوں سے متعلق یہ نیا بیان سامنے آیا ہے۔ فی الحال کمیٹی نے عوام سے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے اور صرف سرکاری معلومات پر بھروسہ کرنے کی اپیل کی ہے۔ بیان کے مطابق، آخری پروگرام اور اس سے متعلق دیگر انتظامات کا باضابطہ اعلان آئندہ دنوں میں کیا جائے گا

وزیر اعظم کی غیر حاضری پر بحث، بالین شاہ پارلیمنٹ سے کیوں غائب؟

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو۔ پارلیمنٹ کے ایوان میں ۱۲ مئی کو صدر رام چندر پوڈیل کے خطاب کے دوران وزیر اعظم بالین شاہ کی غیر حاضری نے سیاسی طوفان کھڑا کر دیا ہے۔ اپوزیشن اور دانشور سوال کر رہے ہیں کہ "بالین شاہ کہاں ہیں؟" اور کیا یہ جمہوری روایات کی بے حرمتی ہے۔ ۱۲ مئی کو صدر پوڈیل پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے پالیسی خطاب کر رہے تھے۔ اسی دوران وزیر اعظم بالین شاہ ایوان سے نکل گئے۔ یہ منظر کیمروں میں قید ہو گیا اور جلد سوشل میڈیا پر وائرل ہوا۔ نامور لکھاری کنک منی ڈکشت نے فیس بک پر لکھا کہ "جب صدر خطاب کر رہے تھے، وزیر اعظم کا واک آؤٹ غیر جمہوری اور بے عزتی ہے"۔ اپوزیشن ارکان نے بھی وزیر اعظم کو صدر کے خطاب میں موجود رہنا ایوان میں اس پر احتجاج کیا اور کہا کہ چاہیے تھا۔ حکومت اور وزیر اعظم سیکریٹریٹ نے وضاحت دی کہ وزیر اعظم صحت کی خرابی کے باعث مختصر آرام کے لیے نکلے تھے اور فوراً واپس آ گئے۔ سیکریٹریٹ نے کہا کہ یہ کوئی "واک آؤٹ" نہیں تھا، بلکہ معمول کا وقفہ تھا۔ یہ پہلا موقع نہیں جب بالین شاہ کی پارلیمنٹ میں موجودگی پر سوال اٹھے۔ مئی میں میڈیا رپورٹس آئیں کہ وزیر اعظم نے مارچ کے آخر میں عہدہ سنبھالنے کے بعد ایوان سے عوامی خطاب نہیں کیا، جس پر اپوزیشن نے الزام لگایا کہ وہ جمہوری احتساب سے بچ رہے ہیں۔ سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ بالین شاہ کی شہرت ایک "خاموش" اور "نجی" رہنما کی ہے۔ وہ میڈیا اور عوامی تقریروں سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن وزیر اعظم کے عہدے پر یہ انداز اپوزیشن کو تنقید کا موقع دے رہا ہے

ذات پات اور اچھوت کا خاتمہ صرف قانون سے ممکن نہیں: صدر پوڈیل

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

صدر رام چندر پوڈیل نے کہا ہے کہ "ذات پات اور اچھوت کا خاتمہ صرف قانون سے ممکن نہیں۔ دلت حقوق کے ایک قومی پروگرام میں خطاب کرتے ہوئے صدر نے زور دیا کہ نیپال کا آئین امتیاز کو جرم قرار دیتا ہے، لیکن سماجی سطح پر تبدیلی کے لیے عوامی شعور، تعلیمی اصلاحات اور قیادت کا واضح موقف فیصلہ کن ہے۔ نیپال کا ۲۰۱۵ کا آئین ذات پات کی بنیاد پر ہر قسم کے امتیاز کو غیر قانونی قرار دیتا ہے، اور "اچھوت اور ذات پات پر مبنی امتیازی سلوک اور سزا ایکٹ ۲۰۱۱" کے تحت اس پر ۳ سال تک قید اور جرمانے کی سزا ہے۔ باوجود اس کے، قومی انسانی حقوق کمیشن اور مختلف این جی اوز کی رپورٹس بتاتی ہیں کہ دیہی علاقوں میں اچھوت اور ذات پات پر مبنی امتیاز اب بھی جاری ہے، خاص طور پر شادی بیاہ، مندروں میں داخلہ اور سماجی میل جول میں۔ دلت نیشنل ڈویلپمنٹ کمیشن کے سالانہ پروگرام میں صدر پوڈیل نے کہا کہ قانون صرف سزا دے سکتا ہے، سوچ نہیں بدل سکتا۔ صدیوں سے چلی آنے والی سوچ ایک رات میں قانون سے ختم نہیں ہوتی۔ اس کے لیے اسکولوں میں مساوات کی تعلیم، میڈیا کا مثبت کردار اور ہمارے گھروں میں ہونے والی گفتگو کا انداز بدلنا ہوگا: انہوں نے کہا کہ اگر ہماری روزمرہ کی زندگی میں ذات کی بنیاد پر فرق باقی رہے گا تو قانون کا اطلاق سطحی ہوگا۔ ایک طرف ہم آئین کی بات کرتے ہیں، دوسری طرف شادی بیاہ میں ذات دیکھتے ہیں۔ یہ تضاد ختم کرنا ہوگا: صدر نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ دلت برادری کے لیے تعلیم، صحت اور روزگار میں مساوی مواقع یقینی بنائے۔ انہوں نے مقامی حکومتوں سے کہا کہ وہ امتیازی واقعات پر فوری کارروائی کریں اور متاثرین کو قانونی مدد فراہم کریں۔ ساتھ ہی صدر نے عام شہریوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی برادریوں میں امتیازی رویوں کے خلاف کھل کر بولیں۔ خاموشی بھی امتیاز کو تقویت دیتی ہے۔

شائع کردہ علما فاؤنڈیشن نیپال
ہیڈ آفس کاٹھمانڈو نیپال
برانچ لمبنی پردیش

جاپان کے بعد اب نیپال میں بھی ہندوستانی آم پر پابندی! سوشل میڈیا کے دعووں پر مرکزی حکومت کا بیان آیا سامنے

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

سوشل میڈیا اور کئی میڈیا رپورٹس میں کیے جا رہے اس طرح کے دعووں کے درمیان مرکزی حکومت کا بڑا بیان سامنے آیا ہے۔ حکومت کی طرف سے کہا گیا ہے کہ نیپال میں ہندوستانی آموں پر پابندی کی خبریں پوری طرح سے گمراہ کن اور غلط ہیں۔ حکومت نے کہا کہ نیپال کو ہونے والی ہندوستانی آموں کی برآمد بغیر کسی رکاوٹ کے لگاتار جاری ہے۔

مرکزی حکومت نے گزشتہ روز ہندوستان کے آم کی درآمد پر نیپال میں روک لگائے جانے سے متعلق کچھ میڈیا رپورٹس کو 'غلط اور گمراہ کن' بتاتے ہوئے خارج کر دیا۔ وزارت زراعت و کسان بہبود نے کہا کہ نیپال کے پلانٹ کوارنٹین اور کیڑے مار ادویات کے انتظامی مرکز نے خود ہی ۱۰ جون کو یہ واضح کیا کہ ہندوستانی آموں پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی ہے۔ وزارت نے ایک بیان میں کہا کہ "کچھ میڈیا رپورٹس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ نیپال نے ہندوستانی آموں کی درآمد پر روک لگا دی ہے، جو کہ پوری طرح غلط اور گمراہ کن ہے۔" اس کے ساتھ ہی وزارت نے کہا کہ "موجودہ ضوابط کے تحت پلانٹ کی صحت سے متعلق شرائط پر عمل کرنے کی صورت میں درآمد کی اجازت برقرار ہے۔ ان شرائط کے اصولوں کی تعمیل کرنے پر درآمد کی اجازت اور ریلیز آرڈر جاری کیے جا رہے ہیں۔" سرکاری اعداد و شمار کے مطابق رواں برس جنوری سے اب تک ہندوستان نے نیپال کو ۲۰۰۵ ٹن آم کی ۱۴۹ شپ برآمد کی ہے جبکہ جون میں اب تک ۲۶۶ ٹن آم کی ۱۸ شپس بھیجی جا چکی ہیں۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
2
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

پی او کے میں تشدد کے بعد پاکستان حکومت کی مشکلات بڑھیں

نمائندہ، نیپال اردو ٹائمز
سید ظہیر احمد فنا

مقبوضہ کشمیر۔ ۹ جون پاکستان کا مقبوضہ کشمیر (پی او کے) ایک بار پھر تشدد دھرنے اور مظاہرے کے سبب سلگ اٹھا ہے۔ یہاں حالات پر قابو پانے میں پاکستانی پولیس ناکام ثابت ہو رہی ہے۔ اس دوران پاکستان حکومت کی پریشانی اس وقت مزید بڑھ گئی جب پولیس کے جوان یہاں ڈیوٹی کرنے سے انکار کرنے لگے۔ یہ انکشاف حکومت کے ایک دستاویز سے ہوا ہے۔ اس کے مطابق پولیس کے جوان کشمیر اور گلگت میں تعیناتی ملنے کے باوجود ڈیوٹی جوائن نہیں کر رہے ہیں۔ پاکستانی حکومت نے ایسے پولیس اہلکاروں کے خلاف کارروائی شروع کی ہے۔ مقامی اخبار ڈان کے مطابق پیر کو پی او کے میں ڈیوٹی پر نہ جانے والے ایک پولیس اہلکار کو نوکری سے برخاست کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں محکمہ پولیس اب تفصیلی فہرست تیار کر رہا ہے۔ آنے والے وقت میں قانون بنا کر ایسے پولیس اہلکاروں کو ایک ساتھ نوکری سے نکالنے کی تیاری ہے۔ پی او کے سے دوری بنانے کی ایک اہم وجہ جان کا خطرہ ہے۔ پی او کے اس وقت جل رہا ہے۔ وہاں پر لوگ سڑکوں پر اتر آئے ہیں۔ ان حالات میں پیر کے روز ۴ پاکستانی پولیس اہلکار مارے گئے جب کہ پولیس فائرنگ میں ۷ عام شہریوں کی بھی جان چلی گئی۔ پولیس اور مظاہرین کے درمیان خونریز جھڑپ میں سینکڑوں لوگ زخمی ہوئے ہیں۔ گزشتہ ۲ برس میں یہ تیسرا موقع ہے جب پی او کے میں بڑا تشدد پھوٹ پڑا ہے۔ یہاں جان کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔ واضح رہے کہ پی او کے اور گلگت میں تنخواہ اور الاؤنس پاکستان کے دیگر صوبوں کے مقابلے کافی کم دیئے جا رہے ہیں۔ اسی بات کو لے کر ۲۰۲۵ میں ۱۱ ہزار پولیس اہلکار سڑکوں پر اتر آئے تھے۔ ان پولیس اہلکاروں کا کہنا تھا کہ ۲۰۲۲ کی پے اسکیل نافذ ہونے کے بعد بھی انہیں ۲۰۱۲ کے حساب سے پیسے دیئے جا رہے ہیں۔ کشمیر انگریزی کی رپورٹ کے مطابق تنخواہ بھی پولیس اہلکاروں کی ناراضگی کی ایک اہم وجہ ہے۔ پاکستان کے صوبہ پنجاب میں ایک کانسٹیبل کی ماہانہ تنخواہ ۴۷ ہزار پاکستانی روپے ہے۔ اسی طرح سندھ میں تنخواہ کے طور پر ماہانہ ۶۹ ہزار پاکستانی روپے ملتے ہیں۔ وہیں پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں ایک کانسٹیبل کی تنخواہ ماہانہ ۱۵،۸۹۹ پاکستانی روپے ہے۔ یاد رہے کہ ۱۹۴۷-۴۸ کے دوران کشمیر کے کچھ حصوں پر پاکستان نے قبضہ کر لیا تھا جسے پاکستان مقبوضہ کشمیر کہا جاتا ہے۔ اس کا علاقائی رقبہ تقریباً ۱۳،۳۰۰ مربع کلومیٹر ہے۔ پاکستان نے اسے یونین ٹیریٹری بنا رکھا ہے۔ یہاں پر اس وقت پیپلز پارٹی کی حکومت ہے۔ پاکستانی حکومت پی او کے میں انتخابات کرانے کی تیاری کر رہی ہے۔ اس انتخاب سے عین قبل وہاں کے لوگ سراپا احتجاج ہیں

امریکہ -ایران کے درمیان کشیدگی میں اضافہ، خلیجی ممالک میں ہائی الرٹ

تہران : (ایجنسیاں) مشرقِ وسطیٰ میں امریکہ اور ایران کے درمیان کشیدگی ایک بار پھر خطرناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ امریکی فوج نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ایران کے جنوبی حصوں اور آبنائے ہرمز کے آس پاس موجود متعدد فضائی دفاعی اور ریڈار تنصیبات پر کامیاب حملے کیے ہیں۔ ان حملوں کے بعد پورے خلیجی خطے میں سکیورٹی الرٹ بڑھا دیا گیا ہے۔ کویت اور بحرین نے اپنے فضائی دفاعی نظام کو فعال کر دیا ہے، جبکہ کئی ممالک نے علاقائی کشیدگی کم کرنے کی اپیل کی ہے۔ امریکی فوجی کمان سینٹکام کے مطابق یہ کارروائی اس واقعے کے بعد کی گئی جس میں ایران پر ایک امریکی ہیلی کاپٹر کو مار گرانے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اس واقعے کے بعد سخت ردعمل کی دھمکی دی تھی۔ اس کے بعد امریکی افواج نے ایرانی فوجی تنصیبات کو نشانہ بنایا۔ دوسری جانب ایران کی انقلابی گارڈز نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے اردن میں موجود ایک امریکی فوجی اڈے پر طویل فاصلے تک مار کرنے والے میزائلوں سے حملہ کیا۔ ایران کے مطابق اس حملے میں چار اہم ٹھکانے نشانہ بنے، جن میں ایف-۳۵ لڑاکا طیاروں کے شیڈز اور ایک کمانڈ سینٹر بھی شامل تھا۔ خطے میں بڑھتی کشیدگی کے دوران کویت نے اعلان کیا ہے کہ اس کے فضائی دفاعی نظام نے کئی مشتبہ فضائی اہداف کو کامیابی سے روک لیا ہے۔ جبکہ بحرین نے فضائی حملے کا الرٹ جاری کیا ہے۔ بحرین کی فوج نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کی ایئر ڈیفنس یونٹس نے ایران کی جانب سے داغے گئے میزائلوں اور ڈرونز کو فضا میں ہی تباہ کر دیا۔ بحرین ڈیفنس فورس کی جنرل کمان نے کہا ہے کہ ملک کی تمام عسکری اکائیوں کو انتہائی اعلیٰ سطح کی چوکسی پر رکھا گیا ہے۔ انتظامیہ نے شہریوں سے اپیل کی ہے کہ وہ کسی بھی مشتبہ شے یا حملے کے ملبے کے قریب نہ جائیں اور فوری طور پر سکیورٹی اداروں کو اطلاع دیں۔ اس دوران متحدہ عرب امارات نے بحرین، کویت اور اردن پر ہونے والے میزائل اور ڈرون حملوں کی شدید مذمت کی ہے۔ یو اے ای وزارتِ خارجہ نے کہا ہے کہ یہ حملے متعلقہ ممالک کی خودمختاری کی خلاف ورزی ہیں اور علاقائی استحکام کے لیے سنگین خطرہ ہیں۔ یو اے ای نے ان تینوں ممالک کے ساتھ مکمل یکجہتی کا اظہار کیا ہے۔ دوسری طرف چین نے بھی صورتحال پر تشویش ظاہر کی ہے۔ چینی وزارتِ خارجہ کے ترجمان لن جیان نے کہا کہ تمام فریقین کو تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور کشیدگی میں مزید اضافہ سے گریز کرنا چاہیے۔ انہوں نے کشیدگی کم کرنے کے لیے عملی اقدامات کی اپیل کی۔ ایران کی وزارتِ خارجہ نے امریکہ پر امن کوششوں کو نقصان پہنچانے کا الزام عائد کیا ہے۔ وزارت کے ترجمان اسماعیل بقائی نے کہا کہ امریکی حملے جاری سفارتی عمل کو کمزور کر رہے ہیں۔ ان کے مطابق کسی بھی تنازع کا حل طاقت کے بجائے مذاکرات اور سفارت کاری کے ذریعے ہونا چاہیے۔ اسی دوران ایران کے وزیر خارجہ سید عباس عراقچی نے ترکی اور سعودی عرب کے وزرائے خارجہ سے ٹیلی فون پر گفتگو کی۔ انہوں نے امریکی حملوں کو ایران کی خودمختاری اور علاقائی سالمیت کی خلاف ورزی قرار دیا اور کہا کہ جوابی کارروائی ایران کا جائز حق ہے۔ مسلسل بڑھتی ہوئی فوجی کشیدگی کے باعث پورے مشرقِ وسطیٰ میں غیر یقینی صورتحال پیدا ہو گئی ہے اور بین الاقوامی برادری حالات کو قابو میں لانے کی کوشش کر رہی ہے

"گجرات میں غیر قانونی طور پر مقیم ۱۶۶ بنگلہ دیشیوں سمیت ۳۰۰ سے زائد افراد کو حراست میں لیا گیا"

نمائندہ، نیپال اردو ٹائمز
سید ظہیر احمد فنا

آپریشن کا نام: گجرات پولیس نے غیر قانونی طور پر رہنے والے افراد کے خلاف ایک بڑے پیمانے پر مہم شروع کی ہے جسے "آپریشن ڈیلٹا ہنٹ" (Operation Delta Hunt) کا نام دیا گیا ہے۔

حراستیں: اس آپریشن کے تحت ریاست بھر سے ۳۰۰ سے زائد مشتبہ افراد کا سراغ لگایا گیا، جن میں سے ۱۶۶ افراد بنگلہ دیشی شہری پائے گئے۔ مجموعی طور پر ریاست بھر سے ۳۶۲ غیر قانونی بنگلہ دیشی شہریوں کو گرفتار کیا گیا ہے، جن میں ۱۰۳ مرد، ۱۸۸ خواتین اور ۷۱ بچے شامل ہیں۔

علاقے: یہ کارروائیاں احمد آباد (جہاں سب سے زیادہ ۱۵۵ بنگلہ دیشی پکڑے گئے)، سورت (۸۴ افراد)، بھروچ، گاندھی دھام اور دیگر علاقوں میں کی گئیں۔

پولیس کی کارروائی: احمد آباد پولیس اور کرائم برانچ کی مختلف ٹیموں نے نارول، شاہ عالم، عیسان پور اور دانی لمڈا جیسے علاقوں میں سرچ آپریشن کیا۔ تلاشی کے دوران بڑی تعداد میں جعلی دستاویزات (جیسے فرضی آدھار کارڈ، راشن کارڈ اور ووٹر آئی ڈی) برآمد ہوئیں۔

سخت وارننگ: گجرات کے وزیر اعلیٰ اور پولیس حکام کی طرف سے واضح کیا گیا ہے کہ غیر قانونی طور پر سرحد پار کرنے والوں، انہیں پناہ دینے والوں، نوکری دینے والوں یا جعلی دستاویزات بنانے میں مدد کرنے والے مقامی ایجنٹوں کے خلاف سخت قانونی کارروائی کی جائے گی اور انہیں ملک بدر (Deport) کیا جائے گا۔

ناکہ بندی: مشتبہ افراد کو ریاست سے فرار ہونے سے روکنے کے لیے تمام بس اسٹیشنوں، ہائی ویز اور ریلوے اسٹیشنوں پر سخت ناکہ بندی کی گئی ہے۔ یہ آپریشن آنے والے دنوں میں بھی جاری رہے گا۔

ملائیشیا کے وزیر اعظم کی مودی کو تاریخی ریکارڈ پر مبارکباد

دلی / بھارت (ایجنسیاں)
وزیر اعظم نریندر مودی کے ملک کے طویل ترین عرصے تک خدمات انجام دینے والے منتخب وزیر اعظم بننے پر عالمی لیڈروں کی جانب سے مبارکبادوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی کڑی میں ملائیشیا کے وزیر اعظم نے بھی وزیر اعظم مودی کو اس تاریخی سنگِ میل پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے ان کی قیادت اور عوامی خدمت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارم 'ایکس' پر جاری اپنے پیغام میں ملائیشیا کے وزیر اعظم نے کہا کہ وزیر اعظم نریندر مودی کا بھارت کے سب سے طویل عرصے تک خدمات انجام دینے والے منتخب وزیر اعظم بننا ایک تاریخی کامیابی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ سنگِ میل مودی کی برسوں پر محیط عوامی خدمت، غیر معمولی قیادت اور بھارت کی ترقی و خوشحالی کے لیے ان کی مسلسل کوششوں کا واضح ثبوت ہے۔ معاشی اور سماجی ترقی کے میدان میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں ملائیشیا کے وزیر اعظم نے اپنے پیغام میں کہا کہ وزیر اعظم مودی کی قیادت میں بھارت نے نہ صرف معاشی اور سماجی ترقی کے میدان میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی اپنی حیثیت اور اثر و رسوخ کو مضبوط کیا ہے۔ انہوں نے اس کامیابی کو بھارت کے عوام کے اعتماد اور وزیر اعظم مودی کی قیادت پر یقین کا مظہر قرار دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ملائیشیا بھارت کے ساتھ اپنے قریبی، دوستانہ اور دیرینہ تعلقات کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان تاریخی، ثقافتی اور اقتصادی روابط وقت کے ساتھ مزید مضبوط ہوئے ہیں اور مختلف شعبوں میں تعاون کے نئے مواقع پیدا ہوئے ہیں۔
ملائیشیا کے وزیر اعظم نے اس عزم کا کیا اظہار ملائیشیا کے وزیر اعظم نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ آنے والے دنوں میں بھارت کے ساتھ دوطرفہ تعلقات کو مزید وسعت دینے اور باہمی تعاون کو نئی بلندیوں تک پہنچانے کے لیے کام کرتے رہیں گے۔ ان کے مطابق دونوں ممالک کے عوام کے مفاد میں تجارت، سرمایہ کاری، تعلیم، ٹیکنالوجی اور علاقائی تعاون جیسے شعبوں میں شراکت داری کو مزید فروغ دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے وزیر اعظم مودی کے لیے مسلسل کامیابیوں کی نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بھارت ترقی، امن اور خوشحالی کی راہ پر اسی طرح آگے بڑھتا رہے۔ ساتھ ہی انہوں نے بھارتی عوام کے لیے امن، استحکام اور مزید معاشی ترقی کی خواہش بھی ظاہر کی۔ سیاسی مبصرین کے مطابق وزیر اعظم مودی کی اس تاریخی کامیابی پر دنیا بھر کے رہنماؤں کی جانب سے موصول ہونے والے پیغامات بھارت کے بڑھتے ہوئے عالمی اثر و رسوخ اور بین الاقوامی تعلقات میں اس کی مضبوط ہوتی حیثیت کی عکاسی کرتے ہیں۔

جنوبی افریقہ کے شہر کلیولینڈ میں فائرنگ سے ۱۲ افراد ہلاک، ۹ زخمی

جوہانسبرگ: (ایجنسیاں) جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ کے قریب کلیولینڈ میں نامعلوم حملہ آوروں نے کم از کم ۱۲ افراد کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ جنوبی افریقہ کی پولیس کا کہنا ہے کہ یہ حملہ منگل کی دیر رات کلیولینڈ کی ایک غیر مجاز بستی میں ہوا۔ اس حملے میں نو دیگر افراد زخمی بھی ہوئے۔ ملزمین کی تلاش جاری ہے۔ جنوبی افریقی نیوز چینل ٹائمز لائیو نے اطلاع دی ہے کہ ۱۰ سے زیادہ بندوق بردار ایک سفید ٹویوٹا کوانٹم سے کلیولینڈ میں پیٹرول اسٹیشن کے قریب اترے۔ محلے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے کئی مقامات پر رہائشیوں پر فائرنگ کی اور پھر اسی گاڑی میں فرار ہو گئے۔

مقامی پولیس ڈیپارٹمنٹ نے کہا کہ افسران نے منگل کو مقامی وقت کے مطابق رات ۱۱ بجکر ۱۰ منٹ پر فائرنگ کی اطلاع پر ردعمل ظاہر کیا۔ زخمیوں کے علاج کے لیے ہنگامی طبی خدمات فراہم کی گئیں۔ پولیس نے بتایا کہ آٹھ مرد اور تین خواتین جائے وقوعہ پر ہی دم توڑ گئیں، جب کہ ایک اور شخص نے اسپتال میں علاج کے دوران دم توڑ دیا۔ کم از کم نو دیگر زخمیوں کو مختلف طبی مراکز میں لے جایا گیا۔

حماس نے اسرائیل کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا، غزہ کیلئے امدادی راستے بحال

یروشلم :(ایجنسیاں)
فلسطینی مزاحمتی تنظیم حماس کی کوششوں کے بعد قابض اسرائیل نے طویل عرصے سے جاری بندش کے بعد غزہ میں واقع رفح اور کرم ابو سالم کراسنگ کو محدود پیمانے پر دوبارہ کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میڈیا کے مطابق یہ پیش رفت شدید انسانی بحران اور عالمی دباؤ کے پیش نظر سامنے آئی ہے جس سے امداد کی فراہمی شروع ہوگی۔ اسرائیلی حکام نے واضح کیا ہے کہ رفح راہداری کو ابتدائی مرحلے میں انتہائی محدود نقل و حرکت کے لیے کھولا گیا ہے۔ کرم ابو سالم کراسنگ کے ذریعہ امدادی سامان کی ترسیل مرحلہ وار کی جائے گی تاکہ غزہ میں انسانی ضروریات کو کسی حد تک پورا کیا جا سکے۔ اس دوران تمام تر سرگرمیاں انتہائی سخت سیکوریٹی نگرانی اور پیشگی منظوری کے نظام کے تحت انجام دی جائیں گی۔ کسی بھی فرد کو بغیر اجازت سرحد عبور کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ نقل و حرکت صرف ان افراد تک محدود ہوگی جنہیں سیکوریٹی حکام سے خصوصی کلیئرنس حاصل ہوگی۔ اسرائیلی انتظامیہ نے کہا کہ طبی امداد کے منتظر مریضوں، غیر ملکی شہریت کے حامل افراد اور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر سفر کرنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ یہ فیصلہ سرحد پر موجود ٹرکوں میں خراب ہوتے سامان اور غزہ میں بڑھتی بیماریوں اور بھوک کے تناظر میں کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ رفح کراسنگ غزہ اور مصر کے درمیان واحد زمینی رابطہ ہے جو کئی ماہ سے عملی طور پر بند تھی۔ اب اس کی نگرانی میں مصر اور اسرائیل کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی فریقین بھی کلیدی کردار ادا کریں گے تاکہ امن و امان کی صورتحال کو برقرار رکھا جا سکے۔ اس پیش رفت کے لیے حماس کی جانب سے بھرپور کوششیں کی جا رہی تھیں۔ دوسری جانب انسانی حقوق کی تنظیموں اور امدادی اداروں نے اس پیش رفت کا خیر مقدم کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خوراک اور ادویات کی شدید قلت کے باعث یہ راستہ کھلنا لاکھوں فلسطینیوں کے لیے کسی ریلیف سے کم نہیں، تاہم مکمل بحالی کے لیے مزید اقدامات کی ضرورت باقی ہے۔ دریں اثنا امدادی اداروں نے خبردار کیا ہے کہ موجودہ محدود پیمانے پر کھلنے والے راستے غزہ کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

وزیر داخلہ سدھن گُرنگ عہدہ سنبھالتے ہی محل قتل عام کی دوبارہ تحقیقات کا اعلان کر دیا

شفیق رضا

کاٹھمانڈو: نومنتخب وزیر داخلہ سدھن گُرنگ نے اپنا عہدہ سنبھال لیا ہے۔ منگل کو شیتل نواس میں صدر کے سامنے حلف اٹھانے کے بعد، سنگھ دربار میں واقع وزارت پہنچ کر وزیر گُرنگ نے اپنا عہدہ سنبھال لیا۔ عہدہ سنبھالنے کے بعد وزیر گُرنگ نے صحافیوں سے بات کرتے ہوئے سچائی اور حقائق کی بنیاد پر ہی تنقید کرنے کی اپیل کی اور خبردار کیا کہ وزارت شہریوں کی توہین اور کردار کشی کے رجحان کے خلاف حساس رویہ اختیار کرے گی۔

عہدہ سنبھالنے کے دوران، وزیر گُرنگ نے ۷ اہم فیصلوں پر دستخط کیے جن کا مقصد اندرون خانہ انتظامیہ اور سیکیورٹی اداروں کو مزید موثر بنانا ہے۔ انہوں نے جین جی تحریک سے متعلق معاملات میں مجرمانہ مقدمات واپس لینے یا نہ لینے کے بارے میں مطالعہ اور سفارشات کے لیے ایک خصوصی ورکنگ گروپ تشکیل دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ، اندرون خانہ وزارت اور سیکیورٹی اداروں سے حساس معلومات کی چوری کو روکنے اور باریک بینی سے نگرانی کے لیے ... حساس معلومات کی نگرانی ٹیم تشکیل دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ نیپال پولیس کے سنٹرل انویسٹی گیشن بیورو (سی آئی بی) کو مزید مضبوط بنانے، زیر تحقیقات پرانے کیسز کو تیزی سے انجام تک پہنچانے اور سنگین، مالی اور منظم جرائم کے معاملات کی سنجیدگی سے تحقیقات کے لیے سی آئی بی میں ... اسپیشلائزڈ ٹیم U (خصوصی ٹیم) تشکیل دینے کا فیصلہ بھی وزیر گرنگ نے کیا ہے۔ اس موقع پر انہوں نے ماضی کے تمام سنگین واقعات کی فائلوں کو انجام تک پہنچانے کا اشارہ دیتے ہوئے واضح کیا کہ اب سے ہر فائل کھولی جائے گی اور کسی بھی معاملے کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح، وزیر گُرنگ نے سن ۲۰۵۸ بکرم سمبت کے ۱۹ جیٹھ کو پیش آنے والے شاہی محل کے قتل عام سے متعلق ماضی کی تحقیقاتی رپورٹس کا مطالعہ کر کے مزید تحقیقاتی عمل آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا ہے۔

وزیر اعظم کے مکتوب کو وزیر خارجہ کے ذریعے پڑھنے کی اپوزیشن کی تجویز راسوپا نے مسترد کر دی۔

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو / نیپال: حکومتی اتحاد میں شامل راشٹریہ سوتنتر پارٹی (راسوپا) نے اپوزیشن جماعتوں کی اس تجویز کو مسترد کر دیا ہے جس میں کہا گیا تھا کہ وزیر اعظم بالیندر شاہ کا دستخط شدہ تحریری جواب وزیر خارجہ ششیر کھنال کے ذریعے پارلیمنٹ میں پڑھ کر سنایا جا سکتا ہے۔ راسوپا کے صدر روی لامیچھانے کی جانب سے بلائی گئی اپوزیشن جماعتوں کی ایک نشست میں اپوزیشن رہنماؤں نے تجویز پیش کی کہ اگر وزیر اعظم خود ایوان میں حاضر نہیں ہو سکتے تو ان کی عدم موجودگی کی وجہ بیان کرتے ہوئے ان کے دستخط شدہ تحریری جواب کو کوئی بھی مقرر کردہ وزیر پڑھ سکتا ہے۔ سنگھ دربار میں جاری اجلاس کے دوران اپوزیشن کی جانب سے پیش کردہ تحریری تجویز میں کہا گیا تھا: "اگر وزیر اعظم کسی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتے تو ان کے دستخط شدہ تحریری جواب کو حکومت کی طرف سے مقرر کردہ کوئی بھی وزیر پڑھ سکتا ہے۔" تاہم، راسوپا کے صدر روی لامیچھانے نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ وزیر خارجہ ششیر کھنال اپنی رائے اور انداز میں بات کریں گے، لہٰذا وہ وزیر اعظم کے تحریری جواب کے محض قاری نہیں بن سکتے۔ ذرائع کے مطابق اجلاس میں نیپالی کانگریس اس معاملے پر کچھ لچک دکھانے کے حق میں نظر آئی، لیکن سی پی این (ایم ایل)، نیپال کمیونسٹ پارٹی اور راشٹریہ پرجاتنتر پارٹی سمیت دیگر اپوزیشن جماعتیں اپنے مؤقف پر قائم ہیں اور اس سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ اجلاس میں نیپالی کانگریس کی جانب سے پارلیمانی پارٹی کے رہنما بھیشم راج آنگدیمبے، چیف وہپ واسنا تھاپا، سی پی این (ایم ایل) کی جانب سے نائب صدر رام بہادر تھاپا "بادل"، نائب رہنما پدما آریال اور چیف وہپ این مہر شریک تھے۔ اسی طرح نیپال کمیونسٹ پارٹی کی نمائندگی ورشان پُن، پرویش ہمال اور یووراج دلال نے کی، جبکہ راشٹریہ پرجاتنتر پارٹی کی جانب سے پارلیمانی رہنما گیان بہادر شاہی اور چیف وہپ خوشبو اولی سمیت دیگر رہنما بھی اجلاس میں موجود تھے۔ سیاسی حلقوں میں اس معاملے کو حکومت اور اپوزیشن کے درمیان جاری پارلیمانی تعطل کے تناظر میں اہم پیش رفت کے طور پر دیکھا جا رہا ہے

پہلے گرفتاری، بعد میں جرم کی تلاش؟ طاقت کا ناجائز استعمال یا تفتیشی غفلت۔

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو / نیپال: میں حالیہ دنوں پولیس کے بعض اقدامات نے فوجداری نظام انصاف پر سنگین سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔ ماہرین، وکلاء اور انسانی حقوق کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ بعض معاملات میں پولیس پہلے افراد کو گرفتار کرتی ہے اور بعد میں ان کے خلاف جرم یا ثبوت تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے، جو انصاف کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ فوجداری قانون کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی شخص کو صرف اس وقت گرفتار کیا جائے جب اس کے خلاف معقول شواہد اور قانونی بنیاد موجود ہو۔ لیکن حالیہ چند واقعات میں دیکھا گیا کہ افراد کو پہلے حراست میں لیا گیا اور بعد میں تحقیقات کے ذریعے ان کے خلاف مقدمہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسی سلسلے میں نائب صدر کے دفتر کے سیکریٹری کرشاہری پشکر کو پولیس نے ان کے گھر سے حراست میں لیا، تاہم کئی گھنٹوں کی پوچھ گچھ کے بعد پولیس اس نتیجے پر پہنچی کہ ان کے خلاف مقدمہ چلانے کے لیے کافی شواہد موجود نہیں ہیں، جس کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا۔ اسی طرح تعلیمی مشاورتی اداروں (کنسلٹنسیوں) کے خلاف کارروائی میں درجنوں افراد کو گرفتار کیا گیا، مگر بعد میں صرف چند افراد کے خلاف ہی مقدمات درج ہو سکے۔ ناقدین کے مطابق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گرفتاریاں پہلے کی گئیں جبکہ ثبوت بعد میں تلاش کیے گئے۔ سابق ڈی آئی جی ہیمنت ملا کا کہنا ہے کہ حکومت ہر مسئلے میں پولیس کو استعمال کر رہی ہے، حالانکہ بعض معاملات متعلقہ انتظامی اداروں کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں۔ ان کے مطابق پولیس کے ذریعے خوف پیدا کرنا ریاستی اداروں کی ذمہ داریوں کو کمزور کرتا ہے۔ عدالتوں نے بھی کئی مواقع پر پولیس کی تحقیقات پر سوال اٹھائے ہیں۔ کاروباری شخصیات، بینکنگ شعبے کے عہدیداروں اور بعض سیاسی رہنماؤں کی گرفتاریوں کے بعد عدالتوں نے انہیں رہا کرنے کے احکامات جاری کیے اور پولیس کی قانونی کارروائی پر اعتراضات اٹھائے۔ سابق ڈی آئی جی پیتامبر ادھیکاری کے مطابق مختلف ادوار میں حکومتوں نے پولیس کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے، جس کے باعث پولیس کی پیشہ ورانہ خود مختاری متاثر ہوئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پولیس کو سیاسی دباؤ سے آزاد ہو کر صرف قانون کے مطابق کام کرنے دیا جانا چاہیے۔ انسانی حقوق کمیشن کی سابق رکن موہنا انصاری کا بھی کہنا ہے کہ اگر پولیس کو غیر جانبدار اور پیشہ ورانہ انداز میں کام کرنے دیا جائے تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں۔ ان کے مطابق تحقیقات پولیس کی ذمہ داری ہیں اور سیاسی قیادت کو اس میں غیر ضروری مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ دوسری جانب نیپال پولیس کے ترجمان ابی نارائن کافلے نے مؤقف اختیار کیا ہے کہ پولیس تمام کارروائیاں قانون کے مطابق کرتی ہے۔ ان کے مطابق تحقیقات کے دوران جسمانی اور ڈیجیٹل شواہد جمع کیے جاتے ہیں اور بعد ازاں سرکاری وکیل کی رائے کے بعد مقدمات عدالت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہر گرفتار شخص کے خلاف مقدمہ قائم ہونا ضروری نہیں، کیونکہ بعض اوقات تحقیقات کے دوران مطلوبہ ثبوت دستیاب نہیں ہوتے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ قانون کی حکمرانی کو مضبوط بنانے کے لیے ضروری ہے کہ پولیس کو سیاسی اثر و رسوخ سے آزاد رکھا جائے، گرفتاری کو آخری آپشن سمجھا جائے اور شہریوں کے بنیادی حقوق کا مکمل احترام کیا جائے۔ بصورت دیگر عوام کا اعتماد عدالتی اور تفتیشی نظام دونوں پر کمزور ہو سکتا ہے

وزیر اعظم کے سرحدی بیان پر پارلیمنٹ میں شدید تنازع، اپوزیشن کا سخت رد عمل۔

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد

کاٹھمنڈو: وزیر اعظم بالین شاہ کے اس بیان کے بعد کہ "بھارت ہی نہیں، نیپال نے بھی کئی مقامات پر بھارت کی زمین استعمال یا قبضے میں لے رکھی ہے"، نیپالی سیاست میں شدید ہلچل پیدا ہو گئی ہے۔ گزشتہ ایک ہفتے سے جاری پارلیمانی تعطل بدھ کے روز وزیر خارجہ ششیر کھنال کی وضاحت کے بعد جزوی طور پر ختم ہوا، تاہم سیاسی اختلافات بدستور برقرار ہیں۔ قومی کانگریس کے پارلیمانی رہنما بھیشم راج آنگدیمبے نے ایوان میں خطاب کرتے ہوئے حکومت پر شدید تنقید کی۔ انہوں نے کہا کہ انہیں اس بات پر شرمندگی محسوس ہو رہی ہے کہ حکومتی اتحاد کے بعض ارکان یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ نیپال نے بھارت کی سرزمین پر قبضہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھے امید تھی کہ حکومتی بینچوں سے کوئی یہ سوال اٹھائے گا کہ آخر نیپال نے کس کی سرحد کہاں تجاوز کی ہے؟ لیکن افسوس کہ بعض اراکین پوری قوت کے ساتھ یہ ثابت کرنے میں لگے ہیں کہ نیپال نے بھارت کی زمین پر قبضہ کیا ہے۔" آنگدیمبے نے زور دے کر کہا کہ لیپولیک، کالاپانی اور لمپیادھورا نیپال کا حصہ ہیں اور اس حقیقت سے پوری دنیا واقف ہے۔ ان کے مطابق سرحدی تنازعات کا حل سفارتی مذاکرات کے ذریعے نکالا جانا چاہیے۔ کانگریسی رہنما نے حکومتی ارکان کو نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ جب وزیر اعظم نے پارلیمنٹ میں یہ متنازع بیان دیا تو ۱۸۱ اراکین نے تالیاں بجا کر اس کی حمایت کی۔ انہوں نے کہا: "سچ کے حق میں بولنے والی زبانیں خاموش رہیں۔ پارلیمنٹ کی اکثریت نے گویا یہ تسلیم کر لیا کہ نیپال نے بھارت کی سرحد عبور کی ہے۔" انہوں نے سوال اٹھایا کہ کیا حکومتی جماعت کے اندر اظہار رائے کی آزادی موجود ہے یا نہیں۔ سیاسی دباؤ بڑھنے کے بعد وزیر خارجہ ششیر کھنال نے ایوان میں وضاحت پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعظم کے بیان کا تعلق دراصل "کراس بارڈر آکوپیشن" (سرحد پار زمین کے استعمال) اور دس گجا علاقے میں تجاوزات سے تھا۔ "وزیر اعظم کا بیان ایک تکنیکی اور زمینی حقیقت کی طرف اشارہ تھا، نہ کہ نیپال کی جانب سے کسی دوسرے ملک کی سرزمین پر دعوے یا قبضے کی توثیق۔" انہوں نے بتایا کہ نیپال اور بھارت مشترکہ طور پر سرحدی علاقوں کی نقشہ سازی اور زمینی حقیقت کا جائزہ لے رہے ہیں، جس کی تفصیلات بعد میں عوام کے سامنے لائی جائیں گی۔ وزیر اعظم کے بیان کے خلاف اپوزیشن جماعتوں نے ۱۹ جیٹھ سے پارلیمنٹ کا بائیکاٹ اور رکاوٹیں کھڑی کر رکھی تھیں۔ اسپیکر ڈی پی آریال کی کوششوں اور مختلف جماعتوں کے درمیان مذاکرات کے بعد بالآخر وزیرِ خارجہ کی وضاحت پر ایوان کا اجلاس دوبارہ شروع ہوا۔ اگرچہ کانگریس، نیکپا اور راپراپا نے وزیرِ خارجہ کی وضاحت سننے پر آمادگی ظاہر کی، لیکن ایم ایل اے مسلسل اس بات پر اصرار کرتی رہی کہ وزیر اعظم خود پارلیمنٹ میں حاضر ہو کر وضاحت دیں۔ اپوزیشن جماعتوں کا کہنا ہے کہ غلطی وزیر اعظم نے کی ہے، اس لیے وضاحت بھی انہی کو دینی چاہیے۔ شرم کلچر پارٹی کے سربراہ ہرک راج رائی نے کہا: "یہ مناسب نہیں کہ ایک شخص غلطی کرے اور دوسرا اس کی وضاحت دے۔ اگر وزیرِ اعظم خود نہیں آ سکتے تو کم از کم اپنا تحریری مؤقف ایوان میں پیش کریں۔" حکمران جماعت راشٹریہ سواتنترا پارٹی (راسوپا) کا کہنا ہے کہ وزیرِ خارجہ حکومت کی جانب سے وضاحت دینے کے مجاز ہیں اور ان کی بات سننے کے بعد ہی اگلے اقدامات پر غور ہونا چاہیے۔ پارلیمانی بحران ختم کرنے کے لیے راسوپا کے چیئرمین روی لامیچھانے نے متعدد جماعتوں کے ساتھ ملاقاتیں بھی کیں، تاہم مکمل اتفاق رائے پیدا نہیں ہو سکا۔ اس تنازع نے نیپال کی سیاست میں قومی خود مختاری، سرحدی معاملات اور پارلیمانی جوابدہی کے موضوعات کو ایک مرتبہ پھر مرکز بحث بنا دیا ہے۔ اپوزیشن اب بھی وزیرِ اعظم سے براہِ راست وضاحت یا معافی کا مطالبہ کر رہی ہے، جبکہ حکومت کا اصرار ہے کہ وزیر اعظم کے بیان کو غلط انداز میں لیا گیا اور وزیرِ خارجہ کی وضاحت کے بعد معاملہ ختم سمجھا جانا چاہیے۔ سیاسی مبصرین کے مطابق آنے والے دنوں میں یہ معاملہ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان طاقت کے توازن اور پارلیمانی روایتوں کے لیے ایک اہم آزمائش ثابت ہو سکتا ہے۔

پارلیمنٹ کا تعطل ختم کرنے کی کوششیں، اسپیکر کی اپوزیشن رہنماؤں سے مشاورت جاری۔

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو: پارلیمنٹ میں جاری تعطل کو ختم کرنے کے لیے اسپیکر ڈی پی آریال نے اپوزیشن جماعتوں کے رہنماؤں کے ساتھ اہم مشاورت شروع کر دی ہے۔ بدھ کے روز اسپیکر نے اپنے دفتر میں اپوزیشن لیڈر بھیشم راج آنگدیمبے، ایم ایل اے پارلیمانی پارٹی کے رہنما رام بہادر تھاپا، نیکپا کے رکن ورشان پُن سمیت مختلف اپوزیشن جماعتوں کے چیف وہپس اور وہپس سے ملاقات کی۔ پارلیمنٹ ہاؤس میں جاری اس اجلاس میں حکومت کی جانب سے وزیر خارجہ ششیر کھنال کے ذریعے وضاحت پیش کرنے کے معاملے پر گفتگو ہو رہی ہے۔ ذرائع کے مطابق وزیر خارجہ کھنال وزیر اعظم بالین شاہ کے ۱۷ جیٹھ کو دیے گئے متنازع سرحدی بیان کے بارے میں وضاحت دینے کی تیاری کر رہے ہیں۔ کانگریس، نیکپا اور راشٹریہ پرجاتنتر پارٹی (راپراپا) سمیت متعدد جماعتوں نے اس بات پر نرمی ظاہر کی ہے کہ حکومت کی طرف سے وزیر خارجہ ہی جواب دے دیں۔ تاہم ایم ایل اے اپنے مؤقف پر قائم ہے کہ وزیر اعظم خود پارلیمنٹ میں حاضر ہو کر اپنے بیان کی وضاحت کریں۔ راپراپا کی وہپ خوشبو اولی نے بتایا: "فی الحال اس بات پر بات چیت جاری ہے کہ پہلے وزیر خارجہ اپنا مؤقف پیش کریں اور اس کے بعد مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنما اپنی رائے رکھیں۔" دوسری جانب ایم ایل اے کے چیف وہپ عین بہادر مہرا نے کہا کہ ان کی جماعت کا مطالبہ ہے کہ یا تو وزیر اعظم خود ایوان میں آئیں یا ان کا باضابطہ بیان وزیر خارجہ ایوان میں پیش کریں۔ واضح رہے کہ وزیر اعظم بالین شاہ نے ۱۷ جیٹھ کو پارلیمنٹ میں کہا تھا: "مجھے وزیر اعظم بننے کے بعد معلوم ہوا کہ صرف بھارت ہی نیپال کی زمین پر قابض نہیں ہے بلکہ کئی مقامات پر نیپال نے بھی بھارت کی زمین استعمال یا قبضے میں لے رکھی ہے۔" اسی بیان کے بعد سیاسی تنازع کھڑا ہو گیا تھا اور ۱۹ جیٹھ سے ایوانِ نمائندگان اور قومی اسمبلی کے اجلاس بار بار متاثر ہوتے رہے ہیں۔ اگرچہ اپوزیشن جماعتیں مسلسل وزیر اعظم سے خود ایوان میں وضاحت دینے کا مطالبہ کر رہی ہیں، لیکن وزیر اعظم شاہ نے اب تک پارلیمنٹ میں آکر اس معاملے پر بات کرنے کی کوئی تیاری ظاہر نہیں کی ہے۔ پارلیمنٹ کا تعطل ختم کرنے کے لیے اس سے قبل راشٹریہ سواتنترا پارٹی (راسوپا) کے چیئرمین روی لامیچھانے نے بھی اپوزیشن جماعتوں سے مذاکرات کیے تھے، تاہم ان مذاکرات سے کوئی اتفاقِ رائے پیدا نہیں ہو سکا تھا۔ بدھ کے روز صبح ۱۱ بجے بلایا گیا ایوان نمائندگان کا اجلاس پہلے نوٹس جاری کر کے دوپہر ۲ بجے تک ملتوی کیا گیا، لیکن ۲ بجے کا اجلاس بھی مقررہ وقت پر شروع نہیں ہو سکا، جس سے سیاسی تعطل بدستور برقرار ہے۔

ٹیکس تنازعہ: وزیر خزانہ سورنم واگلے کے سیکریٹریٹ کی تردید، "خط و کتابت صرف تکنیکی غلطی کی اصلاح کے لیے تھی"

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو: وزیر خزانہ سورنم واگلے کے سیکریٹریٹ نے اقتصادی بل میں ٹیکس کی شرحوں میں رد و بدل کے الزامات کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ پارلیمنٹ سیکریٹریٹ کو بھیجا گیا خط محض ایک تکنیکی غلطی کی نشاندہی اور اس کی اصلاح کے لیے تھا۔ سیکریٹریٹ کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ اقتصادی بل میں موجود ایک فنی خامی کو درست کرنے کے لیے متعلقہ ادارے کی توجہ مبذول کرائی گئی تھی اور اس کا مقصد نہ تو ٹیکس کی شرحوں میں تبدیلی کرنا تھا اور نہ ہی پارلیمانی طریقہ کار کی خلاف ورزی کرنا۔ بیان کے مطابق عوامی سطح پر لگائے گئے الزامات حقائق پر مبنی نہیں ہیں۔ سیکریٹریٹ نے واضح کیا کہ مذکورہ خط و کتابت ایک معمول کی انتظامی کارروائی کے تحت کی گئی تھی، جس کا مقصد صرف بل میں موجود تکنیکی غلطی کو درست کرنا تھا۔ یاد رہے کہ اقتصادی بل میں ٹیکس کی شرحوں میں من مانی ترمیم کی کوشش اور پارلیمنٹ میں پیش ہو چکے بل میں مداخلت کے الزامات کے بعد اپوزیشن جماعتوں نے وزیرِ خزانہ پر سخت تنقید کرتے ہوئے ان سے استعفے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ تاہم وزیرِ خزانہ کے سیکریٹریٹ نے ان الزامات کو گمراہ کن، بے بنیاد اور حقائق کے منافی قرار دیا ہے۔

سیکریٹریٹ کا کہنا ہے کہ اقتصادی بل سے متعلق تمام اقدامات موجودہ قوانین اور پارلیمانی ضوابط کے مطابق انجام دیے گئے ہیں اور کسی بھی مرحلے پر قانونی یا آئینی طریقہ کار کی خلاف ورزی نہیں کی گئی۔ یہ رپورٹ اخباری انداز میں شائع یا نشر کرنے کے لیے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

بچوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے کے لیے لاتحزن فاؤنڈیشن کی تاریخی و مثالی کاوش

پریس ریلیز،

پریہار، سیتامڑھی|۱۰جون۲۰۲۶عیسوی
تعلیم کسی بھی قوم کی ترقی، فکری ارتقاء اور روشن مستقبل کی ضامن ہوتی ہے۔ جب تعلیم کو دینی اقدار، اخلاقی تربیت اور مثبت مسابقت کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا جائے تو معاشرے میں ایک تعمیری انقلاب برپا ہوتا ہے۔ اسی عظیم مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے لا تحزن فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام پریہار بلاک میں پہلی مرتبہ ایک شاندار، منفرد اور تاریخی "تعلیمی بیداری و انعامی مقابلہ پروگرام" کا کامیاب انعقاد عمل میں آیا، جس نے پورے علاقے میں علمی و تعلیمی شعور کی ایک نئی لہر پیدا کر دی۔

یہ پروقار تقریب پریہار ہائی اسکول آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی، جس میں علاقے کے مختلف مدارسِ اسلامیہ کے طلبہ، اساتذہ، علماء کرام، سماجی شخصیات اور دانشورانِ قوم نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ پروگرام کا بنیادی مقصد مدارس کے طلبہ میں تعلیمی بیداری پیدا کرنا، ان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنا، اعتمادِ نفس کو فروغ دینا اور مثبت مقابلہ جاتی ماحول فراہم کرنا تھا۔

مقابلے کے اہم شعبے

طلبہ کی علمی، ادبی اور فنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے مقابلے کو تین اہم زمروں میں تقسیم کیا گیا:

مسابقہ حسنِ قراءت

نعتیہ مقابلہ

تقریری مقابلہ

تمام شرکاء نے بھرپور تیاری، اعتماد اور جوش و جذبے کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، جسے حاضرین اور منصفین نے بے حد سراہا۔

منصفینِ کرام

مقابلے کی شفافیت اور اعلیٰ معیار کو برقرار رکھنے کے لیے ممتاز علماء و قراء حضرات کو منصف مقرر کیا گیا:

- حافظ و قاری مولانا رضاء اللہ صاحب ازہری - مولانا شہباز صاحب، استاذ البرکات انسٹیٹیوٹ، علی گڑھ - حافظ و قاری اشتیاق صاحب استاذ حفظ و قرأت سیتامڑھی

منصفینِ کرام نے طلبہ کی کارکردگی کا نہایت باریک بینی اور غیر جانبداری کے ساتھ جائزہ لیا اور بہترین فیصلے صادر فرمائے۔

انعامات و اعزازات

نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے ہونہار طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے لا تحزن فاؤنڈیشن کی جانب سے گراں قدر انعامات پیش کیے گئے:

اول پوزیشن: ۳۱۰۰ روپے نقد، ٹرافی اور سرٹیفکیٹ

دوم پوزیشن: ۲۱۰۰ روپے نقد، ٹرافی اور سرٹیفکیٹ

سوم پوزیشن: ۱۱۰۰ روپے نقد، ٹرافی اور سرٹیفکیٹ

اس کے علاوہ تمام شرکاء کو ان کی محنت، لگن اور جراتِ اظہار کے اعتراف میں خصوصی ترغیبی انعامات، اعزازی اسناد اور تحائف سے نوازا گیا تاکہ ان کے حوصلے مزید بلند ہوں اور وہ مستقبل میں بھی علمی میدان میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کریں۔

معزز مہمانانِ کرام اور خصوصی اسپیکر

اس تاریخی تقریب میں متعدد معزز شخصیات نے شرکت فرما کر پروگرام کی رونق میں اضافہ کیا، جن میں:

- محترم ڈاکٹر ڈی۔ شمیم صاحب - مولانا ارشاد نوری صاحب (صدر، نمو سینا اقلیتی شعبہ)

- جناب سعود عالم صاحب (پنچایت سمیتی، پریہار اتری)

خصوصی خطیب جناب محمد ارشاد عالم صاحب نے اپنے پُرمغز خطاب میں طلبہ کو جدید تعلیم، شخصیت سازی، کیریئر پلاننگ اور خود اعتمادی کی اہمیت سے روشناس کرایا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مدارس کے طلبہ دینی علوم کے ساتھ عصری علوم اور جدید مہارتوں سے بھی خود کو آراستہ کریں تاکہ وہ مستقبل میں قوم و ملت کی مؤثر قیادت کر سکیں۔

مہمانانِ کرام کے تاثرات

معزز مہمانوں نے اپنے خطابات میں طلبہ کی شاندار کارکردگی کو سراہتے ہوئے کہا کہ موجودہ دور میں ایسے تعلیمی، تربیتی اور مقابلہ جاتی پروگرام وقت کی اہم ضرورت ہیں۔ انہوں نے لا تحزن فاؤنڈیشن کی اس کاوش کو قابلِ تقلید قرار دیتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اس طرح کے پروگرام مستقبل میں بھی مسلسل منعقد ہوتے رہیں گے۔

لا تحزن فاؤنڈیشن کی خدمات کو خراجِ تحسین

پروگرام کے اختتام پر حاضرین، اساتذہ، علماء کرام اور مہمانانِ گرامی نے لا تحزن فاؤنڈیشن کی اس مثالی اور تعمیری کاوش کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ مقررین نے فاؤنڈیشن کے بانی و ڈائریکٹر مولانا عمیر احمد قادری جامعی صاحب اور ان کی پوری ٹیم کی مخلصانہ جدوجہد کو سراہتے ہوئے انہیں مبارکباد اور دعاؤں سے نوازا۔

انہوں نے کہا کہ لا تحزن فاؤنڈیشن نہ صرف تعلیمی میدان میں گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہے بلکہ نئی نسل کے اندر علم، شعور، اعتماد، کردار سازی اور مثبت سوچ کو فروغ دینے میں بھی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

اختتامی کلمات

یہ پروگرام محض ایک انعامی مقابلہ نہیں بلکہ تعلیمی بیداری، علمی ذوق، خود اعتمادی اور مثبت مسابقت کے فروغ کی ایک مؤثر تحریک ثابت ہوا۔ امید کی جاتی ہے کہ لا تحزن فاؤنڈیشن مستقبل میں بھی اسی جذبۂ خدمت کے ساتھ ایسے تعمیری اور مفید پروگرام منعقد کرتی رہے گی اور علاقے کی نئی نسل کو علم و شعور، کردار و قیادت اور ترقی و کامیابی کی راہوں پر گامزن کرنے میں اپنا مؤثر کردار ادا کرتی رہے گی۔

منجانب:

لا تحزن فاؤنڈیشن (Don't Be Sad)

"Let's Reduce Sorrow & Spread

Happiness"

رپورٹ ابو افسر مصباحی، نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

عقیدۂ اہلِ سنت کا تحفظ اور نور المشائخ

حضرت علامہ سید عبد الرب المعروف چاند بابو کا تبلیغی دورہ

از (مولانا) عبید اللہ سبحانی

عقیدہ انسان کی روحانی عمارت کی بنیاد ہے۔ جس طرح کسی بلند و بالا عمارت کی مضبوطی اس کی بنیاد پر منحصر ہوتی ہے، اسی طرح ایمان و عمل کی پوری عمارت صحیح عقیدے پر قائم ہوتی ہے۔ اگر بنیاد کمزور ہو تو خوبصورت دیواریں بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتیں، اور اگر بنیاد مضبوط ہو تو طوفان اور زلزلے بھی عمارت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عقیدۂ صحیحہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ قرآن و سنت، اجماعِ امت اور اکابرِ امت کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہ وہ روشن شاہراہ ہے جس پر صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، اولیائے کاملین اور علمائے ربانیین چلتے رہے۔ اس عقیدے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسالتِ محمدی ﷺ، ختمِ نبوت، عظمتِ صحابہ، محبتِ اہلِ بیت، تعظیمِ اولیاء اور شریعت و طریقت کی ہم آہنگی شامل ہے۔

خانقاہ عالیہ مخدومیہ سبحانیہ فردوسیہ بلہری شریف فیض آباد کے سجادہ نشین فضیلۃ الشیخ پیر طریقت رہبر راہ شریعت شبلی وقت نور المشائخ حضرت مولانا الحاج سید عبد الرب عرف چاند بابو کی کی مبارک زندگی اسی عقیدۂ اہلِ سنت کی چلتی پھرتی زندہ تصویر ہے۔ آپ نے نہ صرف خود اس عقیدے کو مضبوطی سے تھامے رکھا ہے بلکہ ملک و بیرون ملک میں پھیلے اپنے لاکھوں مریدین، متعلقین اور عوام الناس کے دلوں میں بھی اس کی شمع روشن کرنے میں رات و دن ایک کیئے ہوئے ہیں۔ میرا تو ماننا ہے کہ نور المشائخ حفظہ اللہ کا کردار اس چراغ کی مانند ہے جو خود بھی روشنی دیتا ہے اور دوسروں کے راستے بھی منور کرتا ہے۔

نور المشائخ حضرت علامہ الحاج سید چاند بابو اپنے تبلیغی دورے میں اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ عقیدہ درخت کی جڑ ہے اور اعمال اس کے پھل ہیں۔ جب جڑ سلامت ہو گی تو پھل بھی میٹھے ہوں گے، لیکن اگر جڑ ہی خراب ہو جائے تو درخت کی ہریالی زیادہ دیر باقی نہیں رہ سکتی۔ اسی لیے آپ نے ہمیشہ لوگوں کو پہلے عقیدہ درست کرنے اور پھر اعمال سنوارنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

آپ کی سرپرستی و صدارت میں خانقاہ مخدومیہ سبحانیہ بلہری شریف میں ذکر و اذکار کے ساتھ ساتھ عقائدِ اہلِ سنت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ صرف جذباتی وابستگی کافی نہیں بلکہ صحیح فکری بنیاد بھی ضروری ہے۔ چنانچہ آپ اپنے مریدین کو قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے اور اکابرِ اہلِ سنت کی تعلیمات سے وابستہ رہنے کی ہمیشہ تلقین فرماتے ہیں۔

محبتِ رسول ﷺ آپ کے عقیدے کا مرکز و محور ہے۔ آپ کی زندگی اس حقیقت کا آئینہ ہے کہ ایمان کی روح عشقِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ جس طرح سورج کے بغیر دنیا اندھیروں میں ڈوب جاتی ہے، اسی طرح محبتِ رسول ﷺ کے بغیر دل کی دنیا ویران ہو جاتی ہے۔ آپ اپنے قول و عمل سے لوگوں کے دلوں میں حضور اکرم ﷺ کی محبت پیدا کرتے ہیں اور سنتِ نبوی پر عمل کی ترغیب دیتے ہیں۔

اسی طرح آپ اولیائے کرام کی تعظیم اور اہلِ بیتِ اطہار کی محبت کو ایمان کا حسن قرار دیتے ہیں۔ آپ کا مسلک اعتدال، محبت اور احترام کا مسلک ہے۔ نہ غلو ہے اور نہ بے ادبی، بلکہ وہی راستہ ہے جو اہلِ سنت والجماعت کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے۔

نور المشائخ حضرت علامہ الحاج سید عبد الرب عرف چاند بابو کی تعلیمات دورِ حاضر میں اہلِ سنت کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے اپنی عملی زندگی سے ثابت کر دیا ہے کہ صحیح عقیدہ صرف کتابوں کے صفحات میں نہیں بلکہ کردار کی روشنی، اخلاق کی خوشبو اور عبادت کی مٹھاس میں جھلکتے ہیں۔

آج کے دور میں جبکہ فتنوں، گمراہیوں اور فکری انتشار کے بادل منڈلا رہے ہیں، ایسے نازک وقت میں نور المشائخ کا روحانی مشن اور ان کی ناصحانہ گفتگو ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ عقیدۂ اہلِ سنت کو مضبوطی سے تھام لیا جائے، کیونکہ یہی وہ کشتی ہے جو طوفانوں کے درمیان بھی ساحلِ نجات تک پہنچاتی ہے، اور یہی وہ چراغ ہے جو تاریکیوں میں بھی منزل کا راستہ دکھاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عقیدۂ اہلِ سنت والجماعت پر استقامت عطا فرمائے نور المشائخ کے مشن کو تقویت بخشے اور خانقاہ کے بانی مخدوم الکل حضرت سید قیام الدین شاہ بھیکا مکیؒ کے فیوض و برکات سے مستفید فرمائے، اور عشقِ رسول ﷺ، محبتِ اہلِ بیت اور احترامِ اولیاء کی دولت سے مالامال فرمائے۔ آمین۔

مقام و پوسٹ لوہرسن بازار
ضلع سنت کبیر نگر

عرس حضور مبلغ اسلام (علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ) و تقسیم انعامات۔

پریس ریلیز نیپال اردو ٹائمز
جمداشاہی ضلع بستی بھارت

الحمدللہ اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے عظیم خلفا میں حضور مبلغ اسلام علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار ہوتا ہے۔

آج بتاریخ ۹/جون ۲۰۲۶ء نورانی مسجد دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی میں اساتذہ کرام کی سرپرستی میں ایک پر وقار پروگرام بنام "عرس علیمی و تقسیم انعامات" منعقد کیا گیا۔

پروگرام کا آغاز: رب ذوالجلال کے مقدس کلام سے کیا گیا، نظامت کے فرائض مولانا غلام غوث علیمی صاحب (استاذ ادارہ ہذا) و مولانا الیاس قادری (متعلم ادارہ ہذا) نے نہایت احسن انداز میں انجام دیے۔

حسن قراءت کا مقابلہ:

پروگرام کے اگلے مرحلے میں بچوں کے مابین حسنِ قرأت کا ایک شاندار مقابلہ منعقد کیا گیا، جس میں بچوں نے اپنی سحر انگیز آواز میں قرآنِ کریم کی تلاوت کا مظاہرہ کیا، یہ کوشش بالخصوص حضرت حافظ و قاری ہاشم علیمی صاحب قبلہ کی محنتوں کا نتیجہ تھی۔

بعدہ ماہر زبان و قلم حضرت علامہ مفتی کمال احمد علیمی نظامی صاحب قبلہ مدظلہ العالی (نائب صدر شعبہ افتا واستاذ دارالعلوم علیمیہ) نے حضور مبلغ اسلام علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کے علمی کمالات پر نہایت جامع، مانع اور مدلل گفتگو بیان فرمائی، آپ نے فرمایا کہ حضور مبلغ اسلام کس طرح دعوت و تبلیغ کیا کرتے تھے، مفتی صاحب نے اعلیٰ حضرت) کے اس تاریخی شعر پر تفصیلی اور بصیرت افروز روشنی ڈالی۔

"عبد علیم کے علم کو سن کر،
جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں"
(۱۳۳۷ھ میں یہ شعر لکھا گیا)

جس وقت حضور اعلی حضرت نے یہ شعر لکھا اس وقت مبلغ اسلام کی عمر صرف ۲۷ سال کی تھی، غور کریں کتنی حیرت کی بات ہے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں مبلغ اسلام کو کیسا علم حاصل ہو چکا تھا کہ اعلی حضرت جیسی شخصیت ان کے علم کی تعریف کر رہی ہے، جب کہ ۲۷ سال کی عمر میں یا تو بندہ طالب علم رہتا ہے یا تو اس کو فارغ ہوئے ۲-۳ سال ہی گزرے ہوتے ہیں، حیرت ہے کہ اس عمر میں ہی مبلغ اسلام کا علم حضور اعلی حضرت سے داد تحسین حاصل کر رہا تھا۔ اللہ اکبر

شعر کا مطلب:

حضور اعلی حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ میرے عظیم خلیفہ حضرت مبلغ اسلام علامہ عبد العلیم صدیقی کے فہم و ادراک، بصیرت و لیاقت اور علم کو جب یہ دیوبندی اور وہابی سنتے (دیکھتے) ہیں، تو فوراً وہاں سے اپنی جہالت کی گاڑی لے کر بھاگ نکلتے ہیں، اور میرے عبد علیم سے مقابلے کرنے کی جرأت و ہمت ان میں باقی نہیں رہ جاتی ہے۔

اور بھی حضرت نے بہت ساری باتیں بیان فرمائیں جو کہ ہم طالب علموں کے لئے نہایت ہی عمدہ رہیں، حضرت نے اس بات کی بھی تاکید کی کہ آپ مبلغ اسلام کے حیات و خدمات، ان کے رسالے، ان کی تصنیف کردہ کتابوں کو پڑھیں اور حضور مبلغ اسلام کو سمجھیں۔

پھر خطیب باکمال حضرت مولانا فاروق احمد نظامی علیمی (پرنسپل دارالعلوم علیمیہ نسواں) نے حضور مبلغ اسلام شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے دنیا کے طول و عرض میں مختلف زبانوں (عربی، فارسی، انگریزی وغیرہ) میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اور پھر بچوں کو اس بات کی بھی تاکید فرمائی کہ آپ بھی صرف اردو زبان تک ہی محدود نہ رہیں بلکہ عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق دیگر زبانوں (انگریزی، عربی اور فارسی) پر بھی مہارت حاصل کرنے کی کوشش کریں، حضرت نے بہت ہی بہترین بیان فرمایا جو کہ ہم سامعین کے لئے بہت عمدہ رہا۔

پھر محقق عصر، زینب مسند تدریس حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین قادری صاحب قبلہ (استاذ و ناظم تعلیمات دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی) نے بیان فرمایا، جو کہ ہم سامعین کے لئے بہت ہی مفید رہا۔

تقسیم انعامات:

بچوں کی حوصلہ افزائی کے لئے سالانہ امتحانات میں، پوزیشن (اول، دوم) حاصل کرنے والے طلبہ اور پورے مدرسے میں سب سے زیادہ نمبرات لانے والے طالب علم کو انعامات اور ایوارڈ سے نوازا گیا۔

اس کے علاوہ حسنِ قرأت کے مقابلے میں حصہ لینے بچوں کی بھی بھرپور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں انعامات دیے گئے۔

تنظیم ابنائے علیمیہ کی طرف سے بھی ہر جماعت میں اول دوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو پانچ پانچ سو روپے نقد پیش کیے گئے. آخر میں بارگاہِ رسالت ﷺ میں نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا گیا، اس کے بعد حضرت علامہ مولانا محمد شفیق الرحمن صاحب قبلہ مدظلہ العالی (استاذ دارالعلوم علیمیہ) کی پر خلوص دعاؤں پر محفل اختتام پذیر ہوئی۔ ربِ لم یزل اس مخلصانہ کاوش کو قبول فرمائے، ہمارے تمام اساتذہ کرام کا سایہ ہم پر تادیر سلامت رکھے، اور ہمیں حضور مبلغِ اسلام علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کے فیضانِ علمی و روحانی سے مالامال فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

از قلم: محمد صادق الاسلام
(اتر دیناج پور مغربی بنگال)
متعلم: {جماعت خامسہ} دارالعلوم علیمیہ،

سعادت حفظ قرآن مبارک

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین ﷺ بعض خوشیاں ایسی ہوتی ہیں جو صرف ایک فرد کی نہیں بلکہ پورے ادارے، اساتذۂ کرام، رفقائے درس اور متعلقینِ علم کی خوشی بن جاتی ہیں۔ تکمیل قرآن کریم اور حافظ قرآن بننے کی سعادت بھی انہی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے۔ خصوصاً جب کوئی طالبِ علم درسِ نظامی جیسی اہم اور مصروف تعلیم کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن کریم کی دولت سے بھی سرفراز ہو جائے تو اس کی خوشی اور اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ آج ہمارے نہایت عزیز ہم جماعت جناب حافظ صابر رضا علیمی کی تکمیل حفظ قرآن اور جشن دستار حفظ کا مبارک منظر دیکھ کر دل خوشی، مسرت اور شکر کے جذبات سے بھر گیا۔ بے شک یہ صرف ایک کامیابی نہیں بلکہ برسوں کی محنت، استقامت، قربانی اور قرآن کریم سے محبت کا حسین ثمرہ ہے۔

حافظ صابر رضا علیمی عرصۂ دراز سے جماعت کے ممتاز، سنجیدہ اور باصلاحیت طلبہ میں شمار ہوتے ہیں۔ درسِ نظامی کی مصروفیات، اسباق کی تیاری اور دیگر تعلیمی ذمہ داریوں کے باوجود آپ نے حفظ قرآن کے عظیم سفر کو جاری رکھا۔ تقریباً تین سال تک مسلسل محنت، ثابت قدمی اور لگن کے ساتھ اس راہ پر گامزن رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے آپ کو اس عظیم نعمت سے سرفراز فرما دیا۔ مجھے بطورِ خاص یہ بات لکھنے میں خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے آپ کی محنت، جدوجہد اور استقامت کا مشاہدہ کیا ہے۔ کئی مواقع پر آپ کو سبق یاد کرتے، دہرائی کرتے اور اپنے قیمتی اوقات کو قرآنِ کریم کے لیے وقف کرتے دیکھا۔ یہی وہ خاموش محنتیں ہوتی ہیں جو ایک دن انسان کو عزت، کامیابی اور سعادت کے بلند مقامات تک پہنچا دیتی ہیں۔ آج جب آپ کے سر پر دستارِ حفظ سجائی گئی تو یہ منظر در حقیقت انہی بے شمار ساعتوں کی کامیابی کا اعلان تھا جو آپ نے کلامِ الٰہی کے لیے صرف کیں۔ یہ سعادت بھی کم نہیں کہ آپ کی دستار بندی ان اکابرِ اہلِ علم کی سرپرستی میں ہوئی جن کی علمی و روحانی خدمات اہلِ سنت کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں، بالخصوص خلیفۂ حضور تاج الشریعہ، حضور تاج الفقہاء حضرت علامہ مولانا مفتی اختر حسین قادری علیمی دامت برکاتہم العالیہ، محقق العصر حضرت علامہ مفتی نظام الدین قادری دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر اساتذۂ کرام کی دعائیں، توجہات اور شفقتیں یقیناً اس کامیابی میں شاملِ حال ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ منظر دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی کی علمی، تربیتی اور روحانی برکتوں کا زندہ ثبوت ہے۔ ایسے ادارے ہی قوم کو علماء، حفاظ اور دینِ متین کے مخلص خادم عطا کرتے ہیں۔ جب ایک ہی طالبِ علم علمِ دین کے ساتھ قرآنِ کریم کو بھی اپنے سینے میں محفوظ کر لیتا ہے تو یہ نہ صرف اس کی ذاتی کامیابی ہوتی ہے بلکہ ادارے، اساتذہ اور تمام متعلقین کے لیے بھی باعثِ فخر بن جاتی ہے۔ عزیزِ مکرم حافظ صابر رضا علیمی!

آج آپ کی یہ کامیابی ہم سب کے لیے باعثِ فخر و مسرت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس قرآنِ عظیم کو آپ نے اپنے سینے میں محفوظ کیا ہے، وہی قرآن آپ کے دل کا نور، زندگی کا رہنما، قبر کا انیس اور روزِ محشر آپ کے لیے شفیع بنے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علم و عمل کی مزید بلندیوں سے سرفراز فرمائے، اخلاص و استقامت عطا کرے اور دینِ متین کی خدمت کے لیے قبولِ عام و تام نصیب فرمائے۔ دل کی گہرائیوں سے آپ کو تکمیلِ حفظِ قرآن اور دستارِ حفظ کی سعادت پر بے شمار مبارک باد!!!

من جانب: طلبۂ جماعتِ سادسہ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، بستی

Editorial

جوابدہی کا امتحان"

ایڈیٹر کے قلم سے-----

جمہوریت صرف انتخابات کے انعقاد کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس کی اصل روح شفافیت، جوابدہی اور عوامی اعتماد میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ جب حکومتی ادارے عوام کے سامنے جوابدہ ہوں، عوامی نمائندے اپنے اعمال اور فیصلوں کی وضاحت دینے کے پابند ہوں اور احتساب کا عمل بلاامتیاز جاری رہے تو ریاستی نظام مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔ لیکن جب احتساب پر سوالات اٹھنے لگیں، پارلیمانی روایتیں کمزور ہونے لگیں اور عوام کے ذہنوں میں شکوک جنم لیں تو جمہوری نظام کی بنیادیں متزلزل ہونے لگتی ہیں۔

نیپال اس وقت سیاسی تبدیلیوں اور انتظامی اصلاحات کے ایک اہم مرحلے سے گزر رہا ہے۔ حالیہ دنوں میں عوامی عہدیداروں کے اثاثوں کی جانچ، بدعنوانی کے خلاف تحقیقات اور اہم سرکاری شخصیات کے مالی معاملات پر اٹھنے والے سوالات نے قومی سطح پر ایک نئی بحث کو جنم دیا ہے۔ ایسے ماحول میں یہ ضروری ہے کہ احتسابی اداروں کو مکمل آزادی، غیر جانبداری اور قانونی تحفظ فراہم کیا جائے تاکہ وہ کسی سیاسی دباؤ یا مصلحت کے بغیر اپنا کام انجام دے سکیں۔

وزیر داخلہ دھن سنگھ گروں گ کی جانب سے ماضی کے بعض حساس مقدمات، خصوصاً شاہی محل قتل عام کے واقعے سمیت دیگر فائلوں کا دوبارہ جائزہ لینے کے اعلان نے بھی عوامی دلچسپی میں اضافہ کیا ہے۔ اگر حکومت واقعی ماضی کے غیر حل شدہ معاملات کو شفاف انداز میں منطقی انجام تک پہنچانا چاہتی ہے تو یہ اقدام جمہوریت کے لیے خوش آئند ثابت ہو سکتا ہے۔ تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ تحقیقات محض سیاسی نعرہ نہ بنیں بلکہ حقائق، شواہد اور قانون کی بنیاد پر آگے بڑھیں۔
اسی طرح پارلیمنٹ میں وزیر اعظم کی غیر موجودگی اور اس حوالے سے اپوزیشن کے اعتراضات بھی جمہوری روایتوں کے تناظر میں اہمیت رکھتے ہیں۔ پارلیمنٹ کسی بھی جمہوری نظام کا سب سے بڑا فورم ہوتی ہے جہاں حکومت کو عوام کے منتخب نمائندوں کے سامنے جواب دینا ہوتا ہے۔ حکومت اور اپوزیشن دونوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے وقار کو برقرار رکھیں اور اختلافات کو جمہوری آداب کے دائرے میں حل کریں۔

جمہوریت کا حسن یہی ہے کہ حکومت پر تنقید بھی ہو اور حکومت کو اپنا مؤقف پیش کرنے کا موقع بھی ملے۔ اگر اپوزیشن سوال اٹھاتی ہے تو حکومت کو جواب دینا چاہیے، اور اگر حکومت وضاحت پیش کرتی ہے تو اپوزیشن کو اسے سننے کا حوصلہ بھی رکھنا چاہیے۔ سیاسی کشمکش اگر قومی مفاد سے بالاتر ہو جائے تو نقصان پورے ملک کو اٹھانا پڑتا ہے۔

آج نیپال کے عوام کی سب سے بڑی خواہش سیاسی استحکام، معاشی ترقی، روزگار کے مواقع اور قانون کی حکمرانی ہے۔ عوام یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ احتساب کا معیار سب کے لیے یکساں ہو، قانون کا اطلاق بلا تفریق ہو اور ریاستی ادارے سیاسی مداخلت سے آزاد رہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جو عوام کے اعتماد کو بحال کر سکتا ہے اور جمہوری نظام کو مزید مضبوط بنا سکتا ہے۔

نیپال اردو ٹائمز کا مؤقف واضح ہے کہ شفاف احتساب، پارلیمانی جوابدہی اور قانون کی بالادستی ہی وہ ستون ہیں جن پر ایک مضبوط، مستحکم اور ترقی یافتہ نیپال کی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے۔ اگر سیاسی قیادت ذاتی اور جماعتی مفادات سے بالاتر ہو کر قومی مفاد کو ترجیح دے تو ملک نہ صرف سیاسی بحرانوں سے نکل سکتا ہے بلکہ ترقی اور خوشحالی کی نئی منزلیں بھی طے کر سکتا ہے۔

نفرت انگیز مواد کے دور میں مسلم نوجوان کی ذمہ داری

آج کے دور میں سوشل میڈیا انسانی زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے۔ فیس بک، ایکس (ٹوئٹر)، انسٹاگرام، یوٹیوب اور دیگر پلیٹ فارمز نے معلومات، خیالات اور جذبات کی ترسیل کو بے حد تیز اور آسان بنا دیا ہے۔ اب ایک خبر، ایک ویڈیو یا ایک تصویر چند لمحوں میں پوری دنیا میں پھیل سکتی ہے۔ اس سہولت کے ساتھ ساتھ ایک بڑا چیلنج بھی سامنے آیا ہے: غلط معلومات، نفرت انگیز مواد اور تعصب پر مبنی پروپیگنڈا۔ خاص طور پر بعض اوقات مسلمانوں کے خلاف منفی مواد اور نفرت انگیز بیانیہ بھی سامنے آتا ہے، جو نوجوانوں میں غصہ، اضطراب اور جذباتی ردعمل کو جنم دیتا ہے۔

ایسے ماحول میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ مسلم نوجوان سوشل میڈیا کو کیسے استعمال کریں؟ کیا ہر اشتعال انگیز ویڈیو یا پوسٹ پر ردعمل دینا ضروری ہے؟ یا پھر حکمت، صبر اور شعور کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جائے؟ یہ سوال آج کی ڈیجیٹل دنیا میں نہایت اہمیت اختیار کر چکا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر منفی یا نفرت انگیز مواد کا فوری اور جذباتی ردعمل ہمیشہ فائدہ مند نہیں ہوتا۔ بعض اوقات ایسے مواد کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو جذباتی ردعمل پر اکسایا جائے تاکہ بحث مزید بڑھ جائے اور اصل مقصد — نفرت کو ہوا دینا — حاصل ہو جائے۔ اگر ہم ہر ایسی ویڈیو یا پوسٹ پر غصے میں جواب دیں گے تو ہم نادانستہ طور پر اسی ایجنڈے کا حصہ بن سکتے ہیں۔

اسلام ہمیں حکمت، صبر اور بہتر انداز میں گفتگو کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن مجید میں دعوت اور مکالمے کے اصول واضح کیے گئے ہیں کہ بات ہمیشہ احسن انداز میں کی جائے۔ اس لیے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ ہر معاملے میں جذبات کے بجائے حکمت اور سوچ سمجھ کو ترجیح دیں۔

ہر ویڈیو پر کمنٹ ضروری نہیں

یہ ایک عام غلط فہمی ہے کہ ہر ویڈیو یا تصویر پر تبصرہ کرنا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر ہر چیز کا جواب دینا نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ بعض اوقات نقصان دہ بھی ہوتا ہے۔ غیر ضروری بحثیں وقت، توانائی اور ذہنی سکون کو متاثر کرتی ہیں اور اکثر نتیجہ مزید تلخی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگر کوئی مواد واضح طور پر غلط یا نفرت انگیز ہو تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسے رپورٹ کیا جائے یا مختصر، مدلل اور باوقار انداز میں اس کی اصلاح کی جائے۔ لیکن طویل بحثوں اور جذباتی لڑائیوں میں الجھنا اکثر فائدہ نہیں دیتا۔ بعض اوقات خاموشی

ڈاکٹر سلیم انصاری جھاپا نیپال

بھی ایک دانشمندانہ حکمت عملی ہوتی ہے۔

نفرت انگیز مواد کا مؤثر جواب

نفرت انگیز مواد کا سب سے مؤثر جواب ہمیشہ بہتر علم اور بہتر اخلاق ہوتا ہے۔ صرف غصہ یا سخت الفاظ سے مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ اکثر مزید پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اگر کسی ویڈیو میں مسلمانوں کے بارے میں غلط معلومات دی گئی ہوں تو اس کا جواب دلیل، تحقیق اور مثبت انداز میں دینا چاہیے۔

نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ صرف ردعمل دینے کے بجائے مثبت مواد تیار کریں۔ آج ایک مختصر ویڈیو، ایک معلوماتی پوسٹ یا ایک اچھا مضمون ہزاروں لوگوں کی سوچ بدل سکتا ہے۔ اصل طاقت "ردعمل" میں نہیں بلکہ "تخلیق" میں ہے۔ سوشل میڈیا کو جنگ کا میدان بنانے کے بجائے مکالمے کا پلیٹ فارم بنانا زیادہ مفید ہے۔ ہر اختلاف کو دشمنی سمجھنا معاشرے کو تقسیم کرتا ہے۔ نوجوانوں کو یہ سمجھنا ہوگا کہ اختلاف رائے ہمیشہ دشمنی نہیں ہوتا۔

ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ہم ہر بات کو سازش کے زاویے سے نہ دیکھیں۔ بعض اوقات غلط فہمیاں، لاعلمی یا انفرادی رائے بھی مسئلہ بن جاتی ہے۔ حقیقت اور افواہ میں فرق کرنا ایک ضروری مہارت ہے، جس کی آج کے نوجوانوں کو شدید ضرورت ہے۔

آج کے دور میں میڈیا لٹریسی یعنی میڈیا کو سمجھنے کی صلاحیت انتہائی اہم ہے۔ کون سا مواد قابل اعتماد ہے؟ کون سا اکاؤنٹ صرف نفرت پھیلا رہا ہے؟ کون سی خبر اصل ہے اور کون سی من گھڑت؟ یہ سب سوالات نوجوانوں کو سیکھنے چاہئیں۔

تعلیمی اداروں، دینی مدارس اور تنظیموں کو چاہیے کہ وہ نوجوانوں کو سوشل میڈیا کے مثبت اور منفی پہلوؤں کے بارے میں تربیت دیں۔ صرف دینی علم کافی نہیں، بلکہ جدید ڈیجیٹل شعور بھی ضروری ہے۔ اس پورے معاملے میں علماء، اساتذہ، والدین اور رہنماؤں کی ذمہ داری بہت اہم ہے۔ نوجوان اکثر جذباتی ہوتے ہیں اور انہیں رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر انہیں صحیح وقت پر درست سمت نہ دی جائے تو وہ غیر ضروری بحثوں یا غلط ردعمل کا شکار ہو سکتے ہیں۔

علماء کو چاہیے کہ وہ سوشل میڈیا کے استعمال کے بارے میں واضح اور متوازن رہنمائی فراہم کریں۔ اسی طرح والدین کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کے سوشل میڈیا استعمال پر نظر رکھیں اور ان کے ساتھ دوستانہ ماحول میں گفتگو کریں۔

مسلم نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ سوشل میڈیا پر صرف دفاعی رویہ اختیار نہ کریں بلکہ مثبت کردار ادا کریں۔ علم، اخلاق، تحقیق اور اچھے مواد کے ذریعے اپنی موجودگی ظاہر کریں۔ اگر نوجوان صرف منفی بحثوں میں الجھنے کے بجائے تعمیری کام کریں تو مجموعی تصویر خود بخود بہتر ہو جائے گی۔

اصل طاقت اس میں ہے کہ ہم بہتر مواد تخلیق کریں، نہ کہ صرف دوسروں کے مواد پر ردعمل دیں۔

نئی عالمی اقتصادی طاقتوں کا

تحریر: اللہ نواز خان
allahnawazk012@gmail.com

عالمی معاشی صورتحال بدل رہی ہے اور کئی معاشی طاقتوں کا غلبہ کم ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ایسا کوئی پہلی بار نہیں ہو رہا بلکہ ماضی میں بارہا ہو چکا ہے۔ معاشی طور پر انتہائی مضبوط ممالک معاشی لحاظ سے تباہ ہو گئے اور کمزور معیشت رکھنے والے ممالک معاشی لحاظ سے مضبوط ہو گئے۔ امریکہ، یورپی ممالک اور خلیجی ممالک کے علاوہ کئی ممالک معاشی لحاظ سے مضبوط سمجھے جاتے ہیں۔ تیل، گیس، انڈسٹریز، سیاحت وغیرہ سے ان کی معیشتیں مضبوط ہیں۔ اب عالمی معیشت پر امریکہ سمیت کئی طاقتوں کا غلبہ کم ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اکیسویں صدی میں عالمی معاشی منظرنامے میں بہت سی تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ جنگوں کی وجہ سے بھی مسائل پیدا ہوئے اور قدرتی آفات نے بھی بہت سے بحران پیدا کر دیے۔

چین اس وقت انڈسٹری کو بہت ہی مضبوط بنا چکا ہے۔ چینی مصنوعات عالمی منڈی میں تیزی سے جگہ بنا رہی ہیں۔ چین جنگی ٹیکنالوجی کو بھی جدید خطوط پر استوار کر چکا ہے۔ چینی جنگی طیاروں کی مانگ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکہ کے لیے یہ ناقابل برداشت ہے کہ چین ترقی کی منازل طے کرے۔ چین کی بے مثال ترقی حیران کن بھی ہے کہ اتنی جلدی کیسے کامیابی حاصل کر لی گئی؟ چینی ترقی کا راز یہ ہے کہ قوم بہت ہی محنت کر رہی ہے اور اس محنت کا اجر بھی مل رہا ہے۔ چین کے علاوہ روس بھی مضبوط معیشت کا مالک ہے۔ روس میں معدنیات کے علاوہ معاشی مضبوطی کے لیے دیگر ذرائع بھی موجود ہیں۔ روس کی جنگی تاریخ بھی بہت بڑی ہے۔ افغانستان کے ساتھ جنگ میں روس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ پھر مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہوا، لیکن پھر بھی اپنی مضبوطی برقرار رکھنے میں کامیاب ہے۔ اب روس اور یوکرین جنگ جاری ہے۔ یوکرین اتحادیوں کی وجہ سے جنگ جاری رکھے ہوئے ہے۔ یوکرین کو سب سے بڑی امداد امریکہ کی طرف سے مل رہی ہے، اس لیے یوکرین ابھی تک جنگ لڑ رہا ہے۔ روس اتنے نقصان اٹھانے کے باوجود بھی مضبوط پوزیشن پر فائز نظر آرہا ہے۔ روس اور چین کے علاوہ برازیل، انڈونیشیا، انڈیا، سعودی عرب اور دیگر ابھرتی ہوئی معیشتیں عالمی اقتصادی نظام میں اپنا کردار بڑھا رہی ہیں۔ "برکس بلاک" سے بھی نئی تبدیلیاں نظر آرہی ہیں۔ برکس کرنسی اگر مارکیٹ میں جگہ بنا لیتی ہے تو ڈالر اپنی وقعت کھو دے گا۔ بہرحال ڈالر کی پوزیشن ابھی بھی بہت مضبوط ہے۔ خلیجی ریاستیں تیل پر انحصار کر رہی ہیں، ہو سکتا ہے مستقبل میں یہ بھی اپنی مضبوطی کو برقرار نہ رکھ سکیں۔ مضبوطی کو برقرار نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا الیکٹرک اور سولر انرجی پر منتقل ہو رہی ہے۔ الیکٹرک گاڑیوں کو تیل کی ضرورت نہیں رہے گی، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں تیل والی ریاستیں بھی اپنی معاشی مضبوطی کو برقرار نہیں رکھ سکیں گی۔

نئے اتحاد بن رہے ہیں اور یہ اتحاد اپنی معیشت کو مضبوط بنا لیں گے۔ روس اور ایران کا اتحاد بھی عالمی طور پر نہ سہی مشرق وسطی میں بہت اہم صورتحال اختیار کر سکتا ہے۔ ایٹمی توانائی بہت بڑی تبدیلی لا سکتی ہے۔ جن ممالک کو کمزور ہونے کی وجہ سے پریشرائز کر کے دولت وصول کی جا رہی ہے، مستقبل میں اگر ان ممالک کے پاس ایٹمی ہتھیار موجود ہوں تو وہ مقابلہ کر سکیں گے۔ ایٹمی توانائی کو فروخت کر کے بھی بہت سا سرمایہ کمایا جا سکتا ہے۔ ویسے ایٹمی توانائی کو فروخت کرنا آسان نہیں کیونکہ ایٹمی پھیلاؤ کو روکنے کے لیے دنیا متحد ہے۔ بہرحال شمالی کوریا، ایران یا کوئی اور ملک ایٹمی توانائی کو فروخت کر سکتا ہے۔ طاقت کا توازن برابر ہونے کی صورت میں ایٹمی توانائی کی زیادہ آسانی سے خرید و فروخت ہو سکے گی۔ جب نوبت اس حد تک پہنچ جائے گی تو بہت سی طاقتیں اپنا کنٹرول کھو دیں گی۔ تیل یا دوسری اشیاء بغیر مشکل کے فروخت ہونا شروع ہو گئیں تو اس صورت میں بہت بڑی معاشی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں گی۔ امریکہ اور دیگر ممالک بھی معیشت کی مضبوطی کے لیے کام کر رہے ہیں، اسی طرح چین اور روس کے علاوہ دیگر کئی ممالک بھی مسلسل کام کر رہے ہیں۔ برکس یا کوئی دوسرا اتحاد اگر کامیاب ہو گیا تو امریکہ کی معیشت بہت ہی نیچے چلی جائے گی۔

عالمی معیشت کی تبدیلی سے بین الاقوامی سیاست اور سفارت کاری بھی متاثر ہو گی۔ اب کمزور ممالک قرض کے لیے بہت سی ناگوار شرائط تسلیم کر لیتے ہیں، اگر کمزور ممالک خود کفیل ہو جائیں تو بہت بڑی تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ کمزور ممالک اپنی معیشت کو مضبوط بنانا شروع کر دیں گے جس کا نقصان موجودہ مضبوط معیشتوں کو ہو گا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امریکہ یا کوئی اور ملک لازما کمزور ہو جائے گا۔ امریکہ سمیت تمام ممالک اپنی معاشی پوزیشن کو مضبوط رکھ سکتے ہیں۔ مضبوط معیشت کے لیے سیاسی استحکام اور میرٹ لازمی ہوتا ہے۔ اب بھی بہت سے ممالک سیاسی استحکام کو مضبوط نہیں رکھ رہے، اسی لیے معیشت کی کمزوری پر بھی قابو پانے میں ناکام ہیں۔ چین سے سبق حاصل کیا جا سکتا ہے کہ کم وقت میں بہت ہی ترقی کی منازل طے کر چکا ہے۔ چین اتحاد کے لیے کام کر رہا ہے ہو سکتا ہے جلد ہی کامیابی حاصل ہو جائے۔ بھارت، روس، چین یا کوئی دوسرے ممالک اگر متحد ہو جائیں تو آسانی سے صورتحال کو کنٹرول کر سکتے ہیں غلطیاں بھی نقصان دہ ہو سکتی ہیں۔ معاشی طور پر مضبوط ممالک زوال پزیر ہو سکتے ہیں، اگر وہ غلطیاں کرنا شروع کر دیں۔ جیسے امریکہ اس وقت بہت سے ممالک سے الجھ رہا ہے۔ اس جیسے کئی ممالک غلطیاں کر کے اپنی معیشت کو کمزور کر دیں گے۔ یہ امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا کہ ہو سکتا ہے امریکہ یا کوئی اور ریاست اپنی پوزیشن لمبے عرصے تک برقرار رکھنے میں کامیاب ہو جائے۔ تبدیلیوں کو بھی روکا نہیں جا سکتا، چاہے کتنی بھی کوششیں کر لی جائیں۔

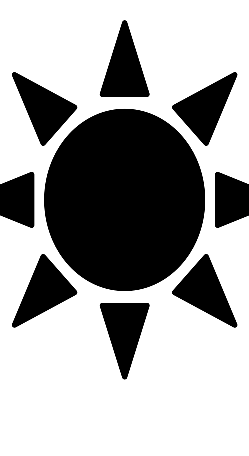

ذکی طارق بارہ بنکوی
ایڈیٹر ہفت روزہ
"صدائے بسمل" بارہ بنکی
سعادتگنج، بارہ بنکی، یوپی، انڈیا

نہ نام، عہدہ نہ شہرت پہ انحصار رکھو
تم اپنے خُلق کو لوگوں میں یادگار رکھو

عروجِ عرش پہ رہتے ہو تم رہو لیکن
زمیں سے اپنے تعلق بھی استوار رکھو

بہار وقت ہر اک شاخ پر ہجوم رہا
خزاں میں ایک ہی پتّا ہو غمگسار رکھو

بلند ہو کے بھی لوگوں کے دل میں گھر کر لو
فضا میں اڑتے ہوئے بھی زمیں سے پیار رکھو

ہجومِ شہر میں خوشبو کی طرح عام رہو
بھلے ہی نام کا ہمراہ اشتہار رکھو

غرورِ علم و ہنر راہزن نہ بن جائے
مزاج میں ذرا تم رنگِ انکسار رکھو

غرض کی دھوپ میں رشتوں کے رنگ بجھتے ہیں
وفا کے پیڑ پہ بس اپنا اعتبار رکھو

مرے نصیب میں شاید وصال لکھا نہیں
سو اپنے دل میں مرا شوقِ انتظار رکھو

خزاں نہ پا لے شجر یہ شباب کا اپنے
دلوں کے بیچ محبت کے برگ و بار رکھو

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

موسمِ برسات اور ہماری ذمہ داریاں

ابو الخالد محمد اظہر الدین علیمی
پرنسپل دارالعلوم حسینیہ نظامیہ رضا نگر بھٹنڈی جموں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو بے شمار نعمتوں سے مزین فرمایا ہے۔ انہی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت بارش ہے۔ بارش زمین کی زندگی، کھیتی باڑی کی رونق، درختوں کی شادابی اور انسان و حیوان کی بقا کا اہم ذریعہ ہے۔ قرآنِ کریم میں بارہا بارش کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل فرمایا۔"

موسمِ برسات اپنے ساتھ بے شمار فوائد لے کر آتا ہے۔ خشک اور بنجر زمین سرسبز ہو جاتی ہے، تالاب اور دریا بھر جاتے ہیں، فصلیں لہلہانے لگتی ہیں اور ماحول میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ کسانوں کے چہروں پر خوشی نمودار ہوتی ہے کیونکہ ان کی محنت بارش کے پانی سے پروان چڑھتی ہے۔ اسی لیے اسلام ہمیں بارش کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور اس کی رحمت کو یاد کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

لیکن افسوس کہ جہاں بارش رحمت ہے وہیں ہماری غفلت اور لاپرواہی اسے بعض اوقات زحمت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ گلیوں، نالیوں اور سڑکوں پر کچرا پھینکنے کی وجہ سے پانی کی نکاسی کا نظام متاثر ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں سڑکیں زیرِ آب آ جاتی ہیں، آمد و رفت میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں اور مختلف بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ اس لیے موسمِ برسات میں صفائی ستھرائی کا خصوصی اہتمام کرنا ہر شہری کی ذمہ داری ہے۔

موسمِ برسات میں مچھروں کی افزائش بھی تیزی سے ہوتی ہے جس کے باعث ڈینگی، ملیریا اور دیگر وبائی امراض پھیلنے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا گھروں اور محلوں میں پانی جمع نہ ہونے دیا جائے، صفائی کا خاص خیال رکھا جائے اور صحت کے اصولوں پر عمل کیا جائے۔ یہ نہ صرف اپنی بلکہ پورے معاشرے کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اسلام صفائی کو نصف ایمان قرار دیتا ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں اپنے گھروں، مساجد، مدارس، بازاروں اور گلی محلوں کو صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بارش کے موسم میں خصوصاً مسجدوں کے صحن، وضو خانے اور راستوں کی صفائی پر توجہ دینی چاہیے تاکہ نمازیوں کو کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔

موسمِ برسات میں بجلی کے آلات اور کھلے تاروں سے بھی احتیاط ضروری ہے۔ کئی مرتبہ معمولی غفلت بڑے حادثات کا سبب بن جاتی ہے۔ والدین کو چاہیے کہ بچوں کو بارش کے دوران بجلی کے کھمبوں، تاروں اور گہرے پانی سے دور رہنے کی تلقین کریں۔ اسی طرح تیز بارش اور آندھی کے وقت غیر ضروری سفر سے گریز کرنا بھی دانشمندی ہے۔ دینی اعتبار سے بھی بارش کا وقت بڑی فضیلت کا حامل ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ بارش کے وقت دعا قبول ہونے کی امید زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس مبارک وقت کو غفلت میں ضائع کرنے کے بجائے دعا، استغفار اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں گزارنا چاہیے۔ بارش دیکھ کر رسولِ اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق یہ دعا پڑھنی چاہیے:

اَللّٰھُمَّ صَیِّبًا نَافِعًا

ترجمہ: اے اللہ! اس بارش کو نفع بخش بنا۔

آج جب دنیا ماحولیاتی آلودگی، موسمی تبدیلیوں اور قدرتی آفات کا سامنا کر رہی ہے تو ہماری ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ ہم درخت لگائیں، ماحول کو آلودہ ہونے سے بچائیں اور قدرتی وسائل کی حفاظت کریں۔ درختوں کی کٹائی اور ماحول کی خرابی بھی بے اعتدال بارشوں اور موسمی مسائل کا ایک سبب بن رہی ہے۔ اس لیے شجرکاری کو فروغ دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

آخر میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے۔ ہمیں اس نعمت پر شکر ادا کرنا چاہیے، صفائی ستھرائی کا اہتمام کرنا چاہیے، بیماریوں اور حادثات سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں اور اس موسم کو عبادت، دعا اور خدمتِ خلق کے جذبے کے ساتھ گزارنا چاہیے۔ اگر ہم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ لیں تو موسمِ برسات ہمارے لیے رحمت، برکت اور خوشحالی کا پیغام بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نعمتوں کی قدر کرنے اور ان سے صحیح فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فیضانِ مبلغِ اسلام اور دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی

محمد شفیق الرحمن عزیزی مصباحی

وطنِ عزیز ہند کے صوبۂ اتر پردیش کے ضلع بستی میں واقع جمداشاہی ایک ایسی خوش نصیب بستی ہے جس کی مذہبی شناخت کو ایک مردِ حق آگاہ کی آمدِ مبارک نے یکسر بدل کر رکھ دیا۔ آج اس خطۂ ارض میں سینکڑوں خاندان مسلکِ اعلیٰ حضرت سے وابستہ ہو کر صحیح العقیدہ اہلِ سنت و جماعت کے طور پر اپنی شناخت رکھتے ہیں، اور یہ سب فیضانِ مبلغِ اسلام کا ایک روشن باب ہے۔

اللہ تعالیٰ مجاہدِ سنت، الحاج سیٹھ شمس الحق علیمی رحمہ اللہ اور ان کے مخلص رفقاء کو جزائے خیر عطا فرمائے، جن کی محبت، اخلاص اور دعوت پر اسلام کے وہ آفاقی سفیر، مبلغِ اسلام، حضرت علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی ثم مدنی علیہ الرحمہ، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، اس دور افتادہ علاقے میں تشریف لائے اور اپنی روحانی توجہات سے اسے مالا مال فرمایا۔ اس وقت کے حالات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مجھوا میر کے قبرستان، نزد اسلام پورہ، میں مولوی جعفر دیوبندی (جو رائے بریلوی کے خلیفہ تھے) کی قبر موجود تھی۔ جمداشاہی کے مشرق میں باگھ نگر سے آگے سمریاواں کے قریب دارالعلوم کرہی قائم تھا، جسے بعض لوگ دارالعلوم دیوبند سے بھی قدیم قرار دیتے تھے۔ خود جمداشاہی میں ماسٹر صاحب نامی شخص تھے، جو غالباً مولوی وصی اللہ کے خلیفہ و مرید تھے، عوام میں خاص اثر و رسوخ رکھتی تھی اور اکثر لوگ ان سے عقیدت رکھتے تھے۔

ایسے پر آشوب ماحول میں سیٹھ شمس الحق علیمی رحمہ اللہ اپنے مرشدِ گرامی کی دعاؤں اور نصیحتوں کو سرمایۂ حیات بنا کر ممبئی سے جمداشاہی تشریف لائے۔ مقصد صرف ایک تھا: ایک مکتب کا قیام اور صحیح دینی تعلیم کا فروغ۔ لیکن جیسے ہی اس عظیم منصوبے کا اظہار ہوا، باطل قوتیں متحرک ہو گئیں۔ مخالفت کا ایسا طوفان اٹھا کہ ان کا سماجی بائیکاٹ تک شروع کر دیا گیا۔ حالات اس نہج تک پہنچ گئے کہ واپسی کا خیال پیدا ہونے لگا۔

مگر جب بندوں کے راستے بند ہوتے ہیں تو ربِ کریم اپنی نصرت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اسی بستی کے ایک باہمت اور جری انسان جناب واجد علی عرف ناٹے چودھری (والدِ مرحوم پردھان چھوٹک) فرشتۂ نصرت بن کر سامنے آئے۔ انہوں نے علیمی صاحب کی بے کسی دیکھی تو للکار کر کہا:

"بابو شمسل! آپ اپنا کام جاری رکھیے، میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو کون روکتا ہے۔"

یہ جملہ گویا ایک تاریخ ساز اعلان تھا۔ پھر ان کے خاندان اور جمداشاہی کے دیگر جانبازوں نے جس استقامت، جرأت اور قربانی کا مظاہرہ کیا، وہ تاریخِ سنت کا ایک سنہرا باب ہے۔ اگر اس مرحلے کو جمداشاہی میں سنیت کی "خشتِ اول" کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا۔

یہ دراصل فیضانِ علیمی کا پہلا مرحلہ تھا، جس سے اہلِ ایمان کی ایک بڑی تعداد مستفید ہوئی۔

بعد ازاں ممبئی سے وابستہ جماعتِ علیمیہ کے مخلص کارکنوں اور محبین نے اس مکتب کو پروان چڑھایا۔ رفتہ رفتہ یہ ننھا پودا ایک تناور درخت اور مضبوط قلعے کی شکل اختیار کرتا گیا۔ مدینۂ منورہ کے سبز گنبد کے سائے میں مبلغِ اسلام کی وہ دعائیں آج بھی اس ادارے کی پشت پناہی کر رہی ہیں جو انہوں نے اپنے محبوب مرید کی درخواست پر فرمائی تھیں۔

آج بحمد اللہ دارالعلوم علیمیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان، تاج دارِ اہلِ سنت، حضور مفتی اعظم ہند، حضور حافظ ملت، حضور محدث اعظم ہند، قائدِ اہلِ سنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی، حضرت خطیبِ مشرق اور دیگر اکابرِ اہلِ سنت رحمہم اللہ تعالیٰ کے علمی و روحانی فیوض و برکات کا ایک درخشاں مرکز بن چکا ہے۔ یہ ادارہ ملک بھر کے طلبہ کو دینی، مسلکی اور عصری تعلیم سے سیراب کر رہا ہے اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی علمی و فکری ترجمانی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ عرسِ علیمی ۱۴۴۷ھ کے بابرکت موقع پر میں بارگاہِ رب العزت میں ان تمام محسنین، خادمین، معاونین اور وابستگانِ علیمیہ کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے صدقے ان کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کی نسلوں کو اس کا بہترین صلہ عطا کرے اور انہیں دارین کی سعادتوں سے نوازے۔

خصوصاً موجودہ دور میں ہمارے اساتذۂ کرام، طلبۂ عزیز، ابنائے علیمیہ قدیم و جدید اور وہ مخیر حضرات جو اپنی حلال کمائی سے اس ادارے کی ہر ممکن اعانت کر رہے ہیں اور اس کے استحکام و ترقی کے لیے جان و مال سے کوشاں ہیں، یقیناً وہ اس کارِ خیر کے حقیقی معمار ہیں۔

آخر میں علماءِ کرام اور طالبانِ علومِ نبویہ سے ایک مخلصانہ گزارش ہے کہ جس عظیم بزرگ کے نام سے یہ ادارہ منسوب ہے، وہ جنت البقیع میں آسودۂ خاک، اپنے زمانے کے قطبِ ارشاد اور صاحبِ فیض مدنی بزرگ ہیں۔ ان کی سیرت، افکار اور منہجِ دعوت و تبلیغ کا مطالعہ کیجیے اور اسے اپنی زندگی کا حصہ بنائیے۔ آج کے پر آشوب دور میں طریقۂ علیم الرضا نہایت مفید، معتدل اور مؤثر ثابت ہو سکتا ہے۔

الحمد للہ علیمی لائبریری میں "گوشۂ علیمی و نورانی" موجود ہے جہاں اس سلسلے کا قیمتی لٹریچر دستیاب ہے۔ اگر اس جانب خصوصی توجہ دی جائے تو نہ صرف فیضانِ علیمی عام ہو گا بلکہ دارالعلوم علیمیہ کی انفرادیت اور اس کا روحانی تشخص بھی مزید محفوظ اور مستحکم ہو گا۔

علیمیہ زندہ باد!

فیضانِ علیمی پائندہ باد!

خاکِ پائے علیم الرضا

وگدائے کوچۂ علیمی

نئے اسلامی سال کا پیغامِ عمل ٭

مفتی محمد رضا قادری رفاعی
خادم التدریس والافتاء
الجامعۃ القادریہ نجم العلوم مالیگاؤں
8446974711

چاند اپنی منزلیں طے کرتا ہوا ایک بار پھر محرم الحرام کی دہلیز پر آ پہنچا ہے۔ اسلامی سال کا ایک اور باب بند ہو گیا اور ایک نیا باب ہمارے سامنے کھل گیا۔ وقت کا یہ خاموش قافلہ نہ کبھی رکتا ہے اور نہ کسی کا انتظار کرتا ہے۔ ہر گزرتا لمحہ زندگی کی کتاب سے ایک ورق کم کر دیتا ہے اور انسان کو اس کی آخری منزل کے قریب تر لے جاتا ہے۔ ایسے میں نئے اسلامی سال کا آغاز محض تاریخ کی تبدیلی نہیں، بلکہ فکر و عمل کی تجدید کا پیغام ہے۔

افسوس کہ آج بہت سے لوگ نئے سال کو صرف مبارک بادوں اور رسمی پیغامات تک محدود کر دیتے ہیں، حالانکہ اسلامی سال کا آغاز ہمیں اپنی زندگی کا محاسبہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ایک سال پہلے بھی ہم نے بہت سے ارادے کیے تھے، بہت سے خواب دیکھے تھے اور بہت سی نیک تمنائیں دل میں بسائی تھیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے آپ سے پوچھیں کہ ان ارادوں کا کیا ہوا؟ ان خوابوں کا کیا بنا؟ اور ہماری زندگی میں کتنا مثبت عمل پیدا ہوا؟

اسلامی سال کی بنیاد ہجرتِ نبوی ﷺ کے عظیم واقعہ پر رکھی گئی ہے۔ ہجرت محض ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہونے کا نام نہیں تھا بلکہ یہ قربانی، ایثار، صبر، استقامت اور عملی جدوجہد کا درس تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیں سکھایا کہ حالات کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں، اگر مقصد بلند ہو اور نیت خالص ہو تو اللہ تعالیٰ راستے آسان فرما دیتا ہے۔ آج امتِ مسلمہ کو بھی اسی پیغامِ عمل کی ضرورت ہے۔ ہم شکایتیں تو بہت کرتے ہیں، مگر اپنے کردار پر کم نظر ڈالتے ہیں۔ ہم حالات کو بدلنے کی خواہش رکھتے ہیں، مگر خود کو بدلنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہم معاشرے کی خرابیوں پر گفتگو کرتے ہیں، لیکن اپنے گھر، اپنی اولاد، اپنی زبان اور اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر کم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قوموں کی تقدیر صرف نعروں سے نہیں بدلا کرتی، بلکہ عمل، محنت اور اخلاص سے بدلتی ہے۔

نیا اسلامی سال ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ہم وقت کی قدر کریں۔ جو لمحہ گزر گیا وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ جو آج ہمارے پاس ہے، کل شاید نہ ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے دنوں کو نیکی، علم، خدمتِ خلق اور عبادت سے آباد کریں۔ نمازوں کی پابندی، قرآنِ کریم سے تعلق، والدین کی خدمت، رشتوں کا احترام اور اخلاقِ حسنہ وہ سرمایہ ہیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت بنتے ہیں۔

محرم الحرام کا آغاز ہمیں کربلا کے عظیم پیغام کی یاد بھی دلاتا ہے۔ یہ مہینہ ہمیں بتاتا ہے کہ حق پر قائم رہنے کے لیے قربانی دینی پڑتی ہے، اصولوں کی حفاظت کے لیے مشکلات برداشت کرنی پڑتی ہیں اور دین کی سربلندی کے لیے کبھی کبھی اپنی خواہشات کو بھی قربان کرنا پڑتا ہے۔ یہی وہ جذبۂ عمل ہے جس نے تاریخ کے دھارے کو موڑا اور حق کو ہمیشہ کے لیے سربلند کر دیا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نئے اسلامی سال کو محض کیلنڈر کی تبدیلی نہ سمجھیں بلکہ اسے اپنی زندگی میں ایک حقیقی تبدیلی کا آغاز بنائیں۔ اپنے گناہوں سے توبہ کریں، اپنی کمزوریوں کو پہچانیں، اپنی اصلاح کا عزم کریں اور اپنے رب سے تعلق کو مضبوط بنائیں۔ اگر ہمارا ہر نیا سال ہمیں اللہ کے قریب اور گناہوں سے دور کر دے تو یہی اس سال کی سب سے بڑی کامیابی ہو گی۔

آئیے! نئے اسلامی سال کے آغاز پر ہم یہ عہد کریں کہ ہم صرف خواب نہیں دیکھیں گے بلکہ عمل کریں گے، صرف خواہشیں نہیں پالیں گے بلکہ محنت کریں گے، صرف دعوے نہیں کریں گے بلکہ اپنے کردار سے اسلام کی خوبصورتی کو ظاہر کریں گے۔ کیونکہ قوموں کی ترقی کا راز بھی عمل میں ہے اور فرد کی کامیابی کا راز بھی عمل ہی میں پوشیدہ ہے۔

نیا اسلامی سال ہمیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ وقت کم ہے، سفر طویل ہے اور منزل عظیم ہے۔ اٹھو، سنبھلو اور اپنے رب کی رضا کے راستے پر چل پڑو، یہی نئے اسلامی سال کا حقیقی پیغامِ عمل ہے۔

٭ دو قدموں کا فلسفۂ حیات ٭

محمد علی شیر قادری نظامی
سکونت: روضہ شریف، مہوتری نیپال

زندگی اپنے اندر کتنے ہی راز سموئے ہوئے ہے، مگر ان رازوں کو ہر آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ بعض اوقات کائنات کی سب سے بڑی حقیقتیں ہمارے سامنے روزانہ وقوع پذیر ہوتی ہیں، لیکن ہم ان کے معنی و مفہوم تک نہیں پہنچ پاتے۔ انسان جب چلتا ہے تو اس کے دو قدم باری باری آگے بڑھتے ہیں۔ ایک قدم آگے ہوتا ہے اور دوسرا پیچھے، مگر اس منظر میں ایک ایسی حکمت پوشیدہ ہے جو اگر دل کی آنکھ سے دیکھی جائے تو پوری زندگی کا فلسفہ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ آگے بڑھنے والا قدم کبھی اپنی سبقت پر ناز نہیں کرتا اور پیچھے رہ جانے والا قدم اپنی پوزیشن پر شرمندہ نہیں ہوتا، کیونکہ دونوں اس حقیقت سے واقف ہیں کہ یہ حالت دائمی نہیں۔ اگلے ہی لمحے زمانے کی گردش ان کی جگہ بدل دے گی۔ جو آگے تھا وہ پیچھے ہو گا اور جو پیچھے تھا وہ آگے بڑھ جائے گا۔

انسانی زندگی بھی کچھ اسی اصول پر قائم ہے۔ یہاں کوئی حالت مستقل نہیں، کوئی مقام دائمی نہیں اور کوئی مرتبہ ہمیشہ کے لیے نہیں دیا گیا۔ وقت کا پہیہ مسلسل گردش میں ہے اور اس کی گردش کے ساتھ حالات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ آج جو شخص اقتدار، دولت، شہرت یا کامیابی کی بلندیوں پر کھڑا ہے، ممکن ہے کل وہی شخص آزمائشوں کے درمیان کھڑا ہو۔ اسی طرح جو آج محرومیوں، ناکامیوں اور مشکلات کے حصار میں ہے، بعید نہیں کہ آنے والا کل اس کے لیے کامیابیوں اور عزتوں کا پیام لے کر آئے۔ یہی زندگی کا وہ اٹل قانون ہے جسے سمجھ لینے والا شخص نہ اپنی کامیابیوں پر مغرور ہوتا ہے اور نہ دوسروں کی محرومیوں پر طنز کرتا ہے۔ تصوف دراصل اسی حقیقت کو دل میں اتارنے کا نام ہے۔ صوفیاء کرام نے ہمیشہ انسان کو یہ سبق دیا کہ دنیا کے عارضی مراتب پر فخر کرنا نادانی ہے۔ انسان اگر اپنے وجود پر غور کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ عطا ہے، استحقاق نہیں۔ دولت، علم، حسن، طاقت، شہرت اور اقتدار سب وقت کے امانتی خزانے ہیں۔ جب مالک چاہے عطا کرے اور جب چاہے واپس لے لے۔ جو شخص اس راز کو جان لیتا ہے، اس کے اندر عاجزی پیدا ہو جاتی ہے اور عاجزی ہی وہ دروازہ ہے جس سے معرفت کا سفر شروع ہوتا ہے۔ غرور دراصل انسان کے اندر پیدا ہونے والا وہ دھوکا ہے جو اسے یہ یقین دلا دیتا ہے کہ اس کا موجودہ مقام ہمیشہ قائم رہے گا، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ زمانہ کسی کے لیے نہیں رکتا۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ کتنے تاجدار خاک نشین ہوئے اور کتنے گمنام لوگ عزت و عظمت کی بلندیوں تک پہنچے۔ اس لیے آگے بڑھ جانے والے کو اپنی سبقت پر فخر زیب نہیں دیتا، کیونکہ وقت کا اگلا لمحہ اس کی جگہ تبدیل کر سکتا ہے۔ اسی طرح پیچھے رہ جانے والے کو بھی مایوسی اور احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ زندگی کی دوڑ میں ہر انسان کا راستہ الگ ہے اور ہر شخص اپنی مخصوص آزمائشوں سے گزر رہا ہے۔ بعض اوقات جو شخص بظاہر پیچھے دکھائی دیتا ہے، حقیقت میں وہ روحانی اعتبار سے بہت آگے ہوتا ہے۔ دنیا کی نگاہیں صرف ظاہری کامیابیوں کو دیکھتی ہیں، مگر رب کی نگاہ دلوں کی کیفیت، نیتوں کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی کو دیکھتی ہے۔ اسی لیے اہلِ دل کسی انسان کو اس کے لباس، عہدے یا دولت سے نہیں پرکھتے بلکہ اس کے اخلاق، محبت اور انسانیت سے پہچانتے ہیں۔ جب انسان اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے کہ زندگی میں ہر حال بدلنے والا ہے تو اس کے دل سے نفرت، حسد اور تکبر کے اندھیرے ختم ہونے لگتے ہیں۔ وہ دوسروں کی کامیابی پر جلنے کے بجائے خوش ہونا سیکھ لیتا ہے اور اپنی کامیابی کو دوسروں کی تحقیر کا ذریعہ نہیں بناتا۔ اسے احساس ہو جاتا ہے کہ ہم سب ایک ہی قافلے کے مسافر ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ کسی کے قدم اس وقت آگے ہیں اور کسی کے پیچھے، مگر سفر سب کا جاری ہے۔

وقت کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ وہ انسان کو اس کی اصل حقیقت یاد دلاتا رہتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی مقام حتمی نہیں۔ خزاں کے بعد بہار آتی ہے، رات کے بعد صبح طلوع ہوتی ہے اور غم کے بعد راحت کے دروازے کھلتے ہیں۔ جو شخص وقت کی اس حکمت کو سمجھ لیتا ہے، وہ نہ عروج میں خود کو سب سے بڑا سمجھتا ہے اور نہ زوال میں خود کو سب سے چھوٹا۔ وہ ہر حال میں شکر اور صبر کا دامن تھامے رکھتا ہے۔ تصوف کا پیغام بھی یہی ہے کہ انسان اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر زندگی کو وسیع تر تناظر میں دیکھے۔ دوسروں کی عزت کرے، ان کے حالات کو سمجھے اور اپنے مقام کو عارضی سمجھے۔ جو دل عاجزی سے بھر جاتا ہے، وہی محبت کا مرکز بنتا ہے اور جو محبت کا مرکز بن جائے، وہ نفرتوں اور تقسیموں سے بلند ہو جاتا ہے۔

چلتے ہوئے دو قدم خاموشی سے ہمیں زندگی کا سب سے بڑا درس دیتے ہیں۔ ایک قدم آگے اور دوسرا پیچھے ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا، کیونکہ دونوں جانتے ہیں کہ سفر کی تکمیل ان کی باہمی ہم آہنگی سے ممکن ہے۔ اگر ایک قدم رک جائے تو دوسرا بھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی حقیقت انسانی معاشرے پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ کوئی شخص تنہا مکمل نہیں، ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ہر ایک کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔

زندگی کا حسن بھی اسی ادراک میں پوشیدہ ہے کہ آج اگر ہم آگے ہیں تو کل پیچھے بھی ہو سکتے ہیں، اور اگر آج پیچھے ہیں تو کل آگے بھی آ سکتے ہیں۔ اس لیے نہ کامیابی غرور پیدا کرے اور نہ ناکامی مایوسی۔ انسان کا اصل مقام اس کے کردار، اخلاق اور عاجزی میں ہے۔ جو شخص اس راز کو پا لیتا ہے، وہ دنیا کی ہنگامہ خیزیوں کے درمیان بھی سکون کی دولت حاصل کر لیتا ہے اور جان لیتا ہے کہ زندگی آگے اور پیچھے ہونے کا نام نہیں، بلکہ ہر حال میں انسان رہنے کا نام ہے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

خانقاہ بلہری شریف کا پیغام، نمازِ پنجگانہ ادا کرنے میں کوتاہی ہر گز نہ برتیں

تین روزہ عرس مخدومی وسجانی اختتام پذیر ملک کے مختلف ریاستوں سے ہزاروں زائرین نے شرکت کی

فیض آباد (اخلاق احمد نظامی)
خانقاہ عالیہ چشتیہ مخدومیہ فردوسیہ سبحانیہ بلہری شریف پورا بازار فیض آباد کے میں مخدوم بھیکا شاہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام مخدوم الکل تاجدار اولیائے اودھ حضرت علامہ سید قیام الدین بھیکا شاہ مکی قدس سرہ اور مخدوم ملت پیر کامل حضرت علامہ سید عبدالسجان علیہ الرحمہ کا تین روزہ سالانہ عرس سراپا قدس اپنی روایتی عظمت کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا۔
احاطہ سبحانی بلہری شریف فیض آباد میں وارث مخدوم ملت شبلی وقت مجاہد دوراں حضرت علامہ سید عبدالرب المعرف چاند بابو دامت برکاتہم العالیہ صاحب سجادہ خانقاہ سبحانیہ بلہری شریف کی سرپرستی وصدارت میں نہایت تزک واحتشام کے ساتھ منعقد ہوا اس بابرکت عرس مخدومی و سبحانی میں ملک کے مختلف صوبوں سے زائرین و وابستگان اور اہل عقیدت نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور اپنی عقیدت ومحبت کا خراج پیش کیا
عرس مخدومی وسبحانی کے پہلے دن بعد نماز فجر قرآن خوانی کی گئی اور شام میں حضرت خواجہ مخدوم تاج الدین اور حضرت خواجہ ممشاد علوی دینوری قدس سرہما کے حق میں فاتحہ خوانی کی گئی تاہم بعد نماز عشاء نعت و مناقب کی روحانی مجلس منعقد ہوئی جس میں فیض آباد اس کے اطراف سمیت ملک کے مختلف ریاستوں سے تشریف لائے شعراء اور نعت خواں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نعت اور حضرت مخدوم الکل کی شان میں منقبت کے اشعار نذر کئے اس سے قبل روحانی مجلس کا اغاز تلاوت قران سے ہوا خلیفہ نور المشائخ مولانا خلیل اللہ خان سبحانی ممبئی نے پروگرام کی نظامت کی، اس موقع پر صاحب سجادہ نور المشائخ مولانا سید عبدالرب چاند بابو نے اپنے خطاب میں کہا توحید کی اساس اس وقت تک مضبوط نہیں ہو سکتی جب تک مومن کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے مضبوط نہ ہو اہل اللہ کے چھوڑے ہوئے نقوش ہمارے لیے مشعل راہ ہیں اور بہترین نمونہ عمل ہیں صاحب عرس مخدوم الکل حضرت سیدنا قیام الدین شاہ بھیکا مکی قدس سرہ کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایک صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے دریائے سرجو ان کے پیچھے پیچھے ان کے دروازے تک آگئی تھی اور ان کی کرامتوں میں راجہ دنداس کا ساغر سوکھنا ہے ۔انہوں نے مریدین ومعتقدین سے کہا کہ آپ لوگ نمازِ پنجگانہ ادا کرنے میں کوتاہی ہر گزنہ کریں عرس کے دوسرے دن بعد فجر قرآن خوانی کا اہتمام ہوا صبح ساڑھے سات بجے مزارات مقدسہ کو غسل دیا گیا اس دوران ترانہ مخدومی پیش کیا گیا تو ایک سرور کی کیفیت طاری ہو گئی اس کے بعد نعت و مناقب کی محفل منعقد ہوئی جس میں کثیر تعداد میں مریدین متوسلین اور معتقدین سمیت اکابر علماء و مشائخ اور دانشوران نے شرکت کی اس موقع پر علماء ومشائخ نے انتہائی بصیرت افروز اور اصلاحی خطابات سے سامعین کو فیضیاب کیا محفل کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا شاعر اسلام قاری زبیر فیضی اور حافظ امیر خسرو نیز دیگر ثنا خوانوں نے منظوم خراج عقیدت پیش کئے پروگرام کے خصوصی خطیب آل رسول حضرت مولانا سید نظامی حسن فردوسی ازہری اطال اللہ عمرہ ولی عہد آستانہ سبحانیہ فردوسیہ چشتیہ بلہری شریف نے اولیاء کرام کی تعلیمات پر ایمان افروز خطاب کی اور کہا کہ اولیائے کرام نے ہمیشہ نفرت اور تعصب مٹا کر امن بھائی چارہ اور بلا تفریق مذہب ونسل انسانیت سے محبت کا درس دیا ہے اولیاء کرام کی تعلیمات کا بڑا حصہ حقوق العباد کی ادائیگی سے متعلق ہے_ مخلوق خدا کی بے غرض خدمت قرب الٰہی کا بہت بڑا ذریعہ ہے_ برصغیر میں اسلام کی اشاعت اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا کرنے میں اولیائے کرام خصوصا خواجہ غریب نواز حضرت سید معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی، مخدوم الکل حضرت سید قیام الدین بھیکا شاہ مکی قدس سرہم کا تاریخی کردار رہا ہے پروگرام کے مہمان خصوصی حضرت علامہ مولانا مفتی ارسلان رضا قادری رضوی بریلی شریف مدفیضہ نے زائرین عرس مخدومی وسبحانی کو بہترین پیغام دیا آپ نے کہا کہ پیری مریدی اس لیے ہوتی ہے کہ باطنی پاکیزگی اختیار کی جائے ریا و تکبر سے دور رہا جائے سچائی کو شعار بنایا جائے عاجزی وانکساری اختیار کی جائے مگر آج کل بہت سے لوگوں نے پیری مریدی کو کاروبار بنا لیا ہے ایسے لوگوں سے دور رہیں ان کی جعل سازی سے بچیں اور ان خانقاہوں اور پیروں سے رشتہ جوڑیے جہاں تزکیہ نفس اور تزکیہ باطن کرایا جاتا ہو ارادت دنیاوی اغراض فاسدہ کے حصول کے لیے نہیں ہونی چاہیے بلکہ طریقت کے اصولوں پر عمل کرنے کے لیے ہونی چاہیے خانقاہوں کے درمیان جو انتشار و افتراق در آیا ہے وہ دور ہونا چاہیے ہر سنی چاہے رضوی ہو برکاتی ہو چشتی ہو سبحانی ہو ہمارا ہے_ ارادت ایک امر مستحب ہے اور اتحاد فرض ہے اگر امر مستحب سے فرض کا ترک لازم آئے تو ایسے مستحب کو بجا نہ لانا بہتر ہے اس شاندار خطاب کے بعد تاجدار بلہری شریف صاحب سجادہ حضرت علامہ سید عبدالرف چاند بابو دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے کلمات عالیہ سے سامعین کو سرفراز فرمایا آپ نے فرمایا خانقاہ مخدومیہ سبحانیہ کا شروع سے ہی یہ امتیاز رہا ہے کہ یہاں خانقاہی روایات اور معمولات اہل سنت کے تعلق سے کسی بھی دور میں تنزل نہیں آیا ہر دور میں خانقاہ اپنی امتیازی روایات پر قائم رہی اور مسلسل اپنے پیران عظام کے احترام اور گہری عقیدت و محبت پر خانقاہ قائم و دائم ہے صلوۃ وسلام اور دعا پر محفل کا اختتام ہوا_ اس محفل میں صاحب سجادہ آستانہ بلہری شریف، حضرت علامہ مفتی ارسلان رضا رضوی بریلی شریف، ولی عہد آستانہ بلہری شریف حضرت مولانا سید نظامی حسن فردوسی ازہری، حضرت مولانا سید قیامی حسن فردوسی، خلیفہ نور المشائخ حضرت مولانا خلیل اللہ خان سبحانی، حضرت مولانا سعید القادری سبحانی، حضرت مولانا محمود علی ازہری، حضرت مولانا محمد افضل علیمی اور حضرت مولانا نورانی رضا علیمی نے خصوصیت کے ساتھ شرکت کی اور رونق اسٹیج رہے۔ ۱۱ بج کر ۴۵ منٹ پر مخدوم الکل حضرت سید قیام الدین شاہ بھیکا کا مکی قدس سرہ کا قل شریف ہوا پھر صاحب سجادہ کی دعاؤں پر محفل کا اختتام ہوا بعد نماز عشاء کی پروگرام کی صدارت حضرت علامہ مولانا مفتی شمس القمر فیضی صاحب نے کی حضرت علامہ مولانا کمال اختر قادری شیخ الادب چرہ محمد پور فیض آباد کا بہترین خطاب ہوا
عرس کے تیسرے دن بعد نماز فجر قرآن خوانی ہوئی ساڑھے سات بجے ترانہ مخدومی کی پر کیف فضا میں مزارات مقدسہ کو غسل دیا گیا ۱۰ بجے خانقاہ سبحانیہ سے حسب روایت تبرکات شریف کا جلوس روانہ ہوا صلوۃ و سلام اور نعت و مناقب کی پر کیف صداؤں میں ۱۱ بجے یہ جلوس خانقاہ سبحانیہ پہنچا، بعد ظہر محفل نعت و مناقب منعقد ہوئی تلاوت قرآن سے محفل کا آغاز ہوا، پھر نعت و مناقب کے اشعار پیش کیے گئے، خلیفہ نور المشائخ حضرت مولانا خلیل اللہ خان سبحانی صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیے اسی درمیان عصر کی اذان ہوئی اور اولیاء مسجد میں باجماعت نماز ادا کی گئی، امامت حضرت مولانا سید نظامی حسن فردوسی ازہری صاحب نے کی پھر بعد نماز عصر نور المشائخ شبلی وقت حضرت علامہ سید عبدالرب چاند بابو صاحب سجادہ آستانہ بلہری شریف نعروں کی گونج میں اسٹیج پر تشریف لائے اور زائرین نے عرس مخدومی و سبحانی سے الوداعی خطاب کیا جس میں صاحب سجادہ نے فرقہائے باطلہ سے دور و نفور رہنے کی تاکید کی اور عقائد اہل سنت و جماعت پر جمے رہنے اور مسلک اعلی حضرت پر گامزن رہنے کی تلقین کی_ چھ بج کر ۱۵ منٹ پر صاحب عرس مخدوم ملت حضرت علامہ سید عبدالسجان قدس سرہ کا قل شریف ہوا پھر صلاۃ و سلام اور صاحب سجادہ کی رقت آمیز دعاؤں پر عرس کا اختتام ہوا_ واضح رہے کہ عرس کے ایام میں لنگر عام چلتا ہے جس میں ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہوئے ہزاروں بندگان خدا کا ہجوم ایک طرح سے اونچ نیچ مٹانے اور مساوات کا سنگم نظر آتا ہے، خانقاہ کی جانب سے زائرین کی ضروری سہولیات کی فراہمی میں کوئی کمی نہیں کی جاتی ہے، زائرین کی اژدہام کے پیش نظر پولیس افسران کی متعدد ٹیمیں گشت کرتی رہیں تاکہ نظم و نسق بنا رہے اور کسی طرح کی کوئی بدنظمی پیدا نہ ہو، رضاکار لوگ زائرین کی خدمت کے لیے پرجوش نظر آئے، خانقاہ کی جانب سے علماء و مدرسین کی نشست و برخاست کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے خود صاحب سجادہ وولی عہد آستانہ بلہری شریف مدفیضہما علماء کے ادب و تصویر بنی نظر آتے ہیں_

تاریخِ دریا آباد میں ساداتِ کرام کا درخشاں کردار

از: آفتاب عالم گوہر قادری واحدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برصغیر ہند و پاک کی سرزمین صدیوں سے اولیائے کرام، علماء عظام، صلحاء و اتقیاء اور اہلِ بیتِ اطہار علیہم الرضوان کے فیوض و برکات سے منور رہی ہے۔ انہی بابرکت خطوں میں اودھ کا تاریخی قصبہ دریا آباد بھی شامل ہے، جسے علمی، روحانی اور تہذیبی اعتبار سے ہمیشہ ایک ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ قصبہ صرف اپنی تاریخی عمارتوں، قدیم بازاروں اور تمدنی روایات کی وجہ سے معروف نہیں، بلکہ یہاں آباد ساداتِ کرام کے عظیم خانوادے بھی اس کی شناخت کا اہم حصہ ہیں۔

دریا آباد کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں یہاں ایسے جلیل القدر سادات آباد رہے جنہوں نے دین و مذہب، علم وادب، تجارت ومعیشت، رفاہِ عامہ اور سماجی خدمت کے میدانوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان بزرگوں کی خدمات آج بھی اہلِ دریا آباد کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں۔

ساداتِ رضویہ اور میران غوث صاحب کی آمد

حضرت میر محمد غوث صاحب المعروف میران غوث ان بزرگ شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جن کے ذریعے دریا آباد میں ساداتِ رضویہ کی ایک مضبوط اور باوقار روایت قائم ہوئی۔ تاریخی شواہد اور شاہی فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ دور میں انہیں معافی اراضی عطا کی گئی تھی، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے عہد کے معزز، باوقار اور صاحبِ اثر افراد میں شمار ہوتے تھے۔

ان کی قیادت میں دریا آباد میں جو آبادی وجود میں آئی، وہ بعد میں "میران نگری" کے نام سے مشہور ہوئی۔ پچاس ساٹھ مکانات پر مشتمل یہ بستی اپنی شان وشوکت، مضبوط تعمیرات اور علمی ماحول کے سبب ممتاز حیثیت رکھتی تھی۔

ان کی نسل میں پیدا ہونے والے سید رجب علی اور سید زین علی جیسے افراد نے مقامی سماج میں قیادت کا کردار ادا کیا۔ قدیم دستاویزات میں ان کی امارت اور وجاہت کے واضح آثار ملتے ہیں۔

میر ننھا شاہ صاحب: روحانیت کا مینار

دریا آباد کی روحانی تاریخ میں حضرت میر ننھا شاہ صاحب کا نام نہایت عقیدت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ آپ ساداتِ حسینیہ کے ایک بزرگ اور صاحبِ کرامت ولی اللہ تھے۔

ان کا مزار شریف آج بھی اہلِ عقیدت کے لیے مرکزِ توجہ ہے۔ تالاب کے وسط میں واقع یہ مزار صدیوں سے عوامی احترام اور محبت کا مرکز چلا آرہا ہے۔

روایات کے مطابق آپ عبادت، ریاضت اور زہد و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ کی وصیت کہ مزار کو پختہ نہ بنایا جائے، دنیا سے بے رغبتی اور اخلاص کی اعلیٰ مثال ہے۔

سرائے شاہ عالم کی مسجد اور سادات کی دینی خدمات دریا آباد کے نواحی علاقے سرائے شاہ عالم کی مذہبی تاریخ میں میر کرامت علی صاحب کے خاندان کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔

میر سید علی صاحب نے تجارت کے میدان میں کامیابی حاصل کرنے کے باوجود اپنے وطن اور اہلِ وطن کو فراموش نہیں کیا۔ ان کی فیاضی، مہمان نوازی اور غریب پروری زبان زدِ عام تھی۔ ان کے بھائی میر ذاکر علی صاحب نے اپنے ذاتی سرمایہ سے تاریخی مسجد کی تعمیر کروا کر ایک عظیم دینی خدمت انجام دی۔ اس مسجد نے نہ صرف عبادت گاہ بلکہ دینی تعلیم وتربیت کے مرکز کی حیثیت بھی اختیار کی۔

رفاہِ عامہ کا روشن باب: میر صاحب اور ان کا خاندان

دریا آباد کے ممتاز سادات میں "میر صاحب" کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے تجارت کے ذریعے غیر معمولی دولت حاصل کی، مگر دولت کو صرف ذاتی آسائش کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے خدمتِ خلق کے لیے وقف رکھا۔

غریب مسلمانوں کو حج پر بھیجنا، ان کے لیے سفری اخراجات کا انتظام کرنا، ضرورت مندوں کی مالی مدد کرنا اور سماجی فلاح کے کاموں میں حصہ لینا ان کی زندگی کا نمایاں وصف تھا۔

ان کے فرزندان سید محمد شفیع اور سید محمد رفیع نے اپنے آبائی وطن سے محبت کا عملی ثبوت دیتے ہوئے دریا آباد میں ایک شاندار حویلی تعمیر کروائی، جو اس زمانے میں قصبے کی نمایاں عمارتوں میں شمار ہوتی تھی۔

خصوصاً سید محمد رفیع "رئیس" ادبی ذوق کے حامل شاعر تھے۔ ان کا علمی اور ادبی سرمایہ آج بھی تحقیق کا متقاضی ہے۔

سید اولاد علی صاحب: عالمی تجارت کا درخشاں نام

اگر دریا آباد کی تاریخ میں کسی شخصیت کو بین الاقوامی تجارتی دنیا کا نمائندہ کہا جائے تو وہ سید اولاد علی صاحب ہیں۔

ان کی کاروباری سرگرمیاں ہندوستان سے نکل کر چین، جاپان، تبت، ختن، یارقند، یورپ اور امریکہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس دور میں جب ذرائع آمد و رفت محدود تھے، ایسی وسعتِ تجارت غیر معمولی صلاحیتوں کی دلیل ہے۔

اس کے باوجود ان کی دینی وابستگی برقرار رہی۔ میلاد شریف، نعت خوانی اور دینی مجالس سے ان کا خصوصی تعلق تھا۔

مولوی ثابت علی صاحب: علم وادب کے امین

مولوی ثابت علی صاحب نیشاپوری حسینی سادات کے ایک جلیل القدر فرد تھے۔ وہ سرکاری ملازمت، صحافت، کتابت، جلد سازی اور ادبی خدمات کے میدان میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ان کی علمی یادداشت کا یہ عالم تھا کہ اودھ کے بڑے شعراء کا کلام ازبر تھا۔ ان کی مجلسیں علم و ادب کے ذوق سے معمور رہتی تھیں۔

رمضان المبارک میں افطار کے لیے "امینی روٹی اور کھچڑی" کا مستقل انتظام ان کی خدمتِ خلق کا ایسا نمونہ ہے جسے آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔

انتظامی اور سرکاری خدمات میں سادات کا کردار

دریا آباد کے سادات نے صرف مذہبی اور علمی میدانوں میں ہی نہیں بلکہ انتظامی شعبوں میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔

مولوی ناظم علی صاحب اپنی ذہانت کے باعث معروف تھے جبکہ بابو سید حاکم علی صاحب نے ریلوے کے اہم شعبے میں خدمات انجام دیں۔

اسی طرح سید ناصر علی صاحب منصرم نے ریاست محمود آباد اور عدالتی محکموں میں اپنی دیانت، قابلیت اور حسنِ انتظام کے باعث نمایاں مقام حاصل کیا۔

مخدوم آکھن صاحب کی علمی وروحانی وراثت

دریا آباد کی روحانی تاریخ میں حضرت مخدوم آکھن صاحب کا خاندان خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی نسلوں میں ایسے بزرگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین کی اشاعت، اصلاحِ معاشرہ اور روحانی تربیت کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیا۔

شاہ عبدالرسول، شاہ جہاں چشتی اور شاہ ابوالمظفر شاہ خوبان جیسے نام اس روحانی سلسلے کی عظمت کی روشن دلیل ہیں۔

ساداتِ دریا آباد: ایک زندہ ورثہ

دریا آباد کے سادات صرف ایک تاریخی یادگار نہیں بلکہ ایک زندہ تہذیبی ورثہ ہیں۔ ان کے اسلاف نے جو علمی، روحانی اور سماجی خدمات انجام دیں، وہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان خانوادوں کے شجرے، دستاویزات، مکاتیب، شعری سرمایہ، علمی آثار اور تاریخی یادگاروں کو محفوظ کیا جائے تاکہ تاریخ کا یہ روشن باب آنے والی نسلوں تک صحیح صورت میں منتقل ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ ان اکابرینِ اہلِ بیت پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

اپنا تو کام ہے جلاتے رہیں چراغ۔۔۔

(استاد۔۔۔رتبہ۔۔اور۔۔فخر) ماجد مجید کشمیر یونیورسٹی۔ پہلے ہم سکول میں درس و تدریس کے ذریعے بچوں کو نور سے روشناس کرتے رہے پھر ہمارا تقرر جامعہ کے کسی شعبہ میں ہوا اور سبکدوشی تک اپنے پیشے سے منسلک ہزاروں شاگردوں کو مطالعے سے روشناس کرتے رہے اور سبکدوشی کے بعد بھی شاگرد رابطے میں رہ کر علم کے منازل طے کرتے رہے۔ عمر جب بڑھتی ہے استخواں بھی کمزور پڑ جاتے ہیں ایسے میں ایک بار میری رفیقہ حیات نے اپنی آنکھوں میں دھندلے پن کی شکایت کی نزدیکی شفاخانہ کے طبیب کو گئے اس نے امراض چشم کے طبیب کو جانے کا مشورہ دیا کئی شفاخانوں کو گئے لیکن کسی بھی ماہر امراض چشم سے رابطہ نہ ہونے پر نجی چشم امراض شفاخانہ کو گئے رجسٹریشن کاونٹر پر مریضوں کی لمبی قطار کے ساتھ ہم بھی جڑ گئے پھر زیادہ دیر نہ گزری کہ کہیں سے کوئی تیس بتیس سالہ لڑکی نمودار ہوئی اور مجھ سے یوں مودبانہ انداز میں مخاطب ہوئی ! sir" آپ! یہاں خیریت!!" لڑکی نے مسکرانہ اور ملتجیانہ انداز میں کہا۔ "بیٹا، میں نے آپ کو پہچانا نہیں! کون ہو تم sir ", میں آپ کی سٹوڈنٹ ہوں آپ نے مجھے کالج میں پڑھایا ہے" اچھا یہ کب کی بات ہے کیونکہ میں پھر جامعہ میں تعینات ہوا اور سبکدوشی تک وہاں روشنی پھیلاتا رہا اور تم یہاں کیا کرتی ہو sir میں اسی شفاخانہ میں تعینات ہو چکی ہوں اور میں نے آپ کو خفیہ کیمرے میں دیکھا اور دیدار کے لئے یہاں آگئی" طالبہ نے وضاحت سے کہا"۔ جی بیٹا میری رفیقہ حیات کو دھندلا سا دکھ رہا ہے طبیب کو گئے تو اس نے ماہر امراض چشم کو دکھانے کا مشورہ دیا، اسی لئے یہاں آ گئے لیکن کاونٹر پر پہنچتے پہنچتے دیر ہو جائے گی" ہم نے طالبہ سے کہا اور وہ بیچ قطار میں سے ہمیں نکال کر سیدھے کاونٹر پر لے آئی اور قطار میں کھڑے لوگوں سے اس طرح مخاطب ہوئی" معاف کیجئے گا یہ میرے استاد ہیں انہی کی بدولت میں آج یہاں اس عہدے پر تعینات ہوں"۔ "بیٹا! ہم دونوں میاں بیوی ان لوگوں کا حق مارنے نہیں آئے ہیں پہلے ان کی باری ہے "میں نے کہا تو سب لوگ ایک ساتھ بولے "استاد محترم! ہم نے بھی استادوں سے ہی پڑھا ہے خدا اور والدین کے بعد استاد کا رتبہ عظیم ہے استاد بگڑے قوم کا معمار ہوتا ہے جہاں استاد کا پاوں وہاں شاگرد کا سر ہو تو بھی کم "سب بولے اور تعظیماً ہمارے لئے راستہ نکالے۔ طالبہ نے ہمیں ماہر امراض چشم سے ملوایا ہمارا تعارف کرایا وہ بھی ہمارے احترام میں کچھ دیر کے لئے کھڑے ہوئے اور میری رفیقہ کی آنکھوں کا معائنہ کر کے چند دوائیاں اپنے کاونٹر سے نکالیں اور طریقہ استعمال بتا کے اپنے کمرے کے دروازے تک ساتھ آئے جوں ہی ہم باہر آئے قطار میں کھڑے وہی لوگ ہماری رخصتی پر تعظیماً ہمارے سامنے آئے اور ایک کے بعد ایک یوں کہنے لگا "استاد محترم! ہمیں بھی خدمت کا موقع دیجئے ہم آپ کو اپنی گاڑی میں گھر پہنچائیں گے "جی شکریہ سب سے پہلے آپ لوگوں نے میری باری کو زیادہ ترجیح دی اور دوسری بات یہ کہ باہر ہماری گاڑی انتظار میں ہے "میں نے کہا اور کئی لوگ باہر گاڑی تک سر جھکا کے میرے ساتھ آگئے، مجھے ان کو دیکھ کر اطمینان قلب حاصل ہوا اور اپنے پیشے پر فخر کرتے ہوئے راستہ بھر طالبہ اور قطار میں کھڑے لوگوں کے بہترین روئے پر یہی گنگناتا رہا (اپنا تو کام ہے جلاتے رہیں چراغ۔ پھر راستے میں چاہئے دوست یا دشمن کا گھر ملے) بہترین استاد معاشرے کا بہترین معمار ہوتا ہے اور کبھی بھی بے بس نہیں ہوتا

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

مسلم معاشرہ علم وشعور سے دور۔اور اخلاقی زوال

از قلم: محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی بنوٹا، مہوتری، نیپال نائب ایڈیٹر: نیپال اردو ٹائمز

بفضل رب تعالی، بطفیل نبی اکرم جل جلاہ ﷺ مذہب اسلام پوری دنیا میں سب سے انوکھا، پیارا اور لاجواب ہے، قرآن کا فرمان ہے: "ان الدین عند اللہ الاسلام"۔ اس نے نوع انساں کو ہر طرح کے اسباق دیا، انہیں اس کی ذمہ داریوں سے روشناس کرایا، آفاقی شعور و آگاہی سے مرصع کیا، تعلیم و تربیت کے ذریعہ بہترین اخلاق و کردار سے مزین کیا، لیکن یہی اخلاق و کردار جو انسانی معاشرے کی روح ہے، آج ہم سے کوسو دور ہو گیا ہے، یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر دنیا بھر میں، اور خاص طور پر ہمارے اپنے خطے میں، گہری تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

جب کہ اللہ نے انسان کو خوب صورت نشو نما اور اچھے اخلاق و کردار سے مزین کیا ہے۔ "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم"۔

معاشرہ، افراد کے باہمی تعلقات، رویوں اور اقدار کا نام ہے، اور جب ان رویوں میں سے اچھائی، رواداری اور انسانیت رخصت ہونے لگے، تو اسے ہم "اخلاقی زوال" کہتے ہیں۔

اگر ہم اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو یہ زوال زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اس زوال کی چند بڑی وجوہات پیش کرتا ہوں، ملاحظہ کریں!

مادہ پرستی:

موجودہ دور کی سب سے بڑی سچائی "پیسہ اور طاقت" بن چکی ہے۔ انسان کی قیمت اس کے اخلاق یا کردار سے نہیں، بلکہ اس کے بینک بیلنس اور گاڑی سے لگائی جاتی ہے۔ اس اندھی دوڑ نے انسان کو خود غرض بنادیا ہے، جہاں جائز اور ناجائز کی تمیز ختم ہوتی جارہی ہے۔

سوشل میڈیا اور سطحی پن:

ٹیکنالوجی نے جہاں زندگی آسان کی ہے، وہاں اخلاقی اقدار کو شدید نقصان بھی پہنچایا ہے۔ سستی شہرت، ویوز اور لائکس حاصل کرنے کے لیے جھوٹ، بدتمیزی، اور دوسروں کی تذلیل کو ایک عام بات بنا دیا گیا ہے۔ پرائیویٹ زندگیوں کا احترام ختم ہو چکا ہے اور تنقید کا معیار انتہائی گر چکا ہے۔

آج ہر کس وناکس سوشل میڈیا پہ طوفان بدتمیزی برپا کئے ہوا ہے، جسے بولنے کی تمیز نہیں، لکھنے، پڑھنے کا شعور نہیں، وہ بھی اپنے سے کئی گنا بڑے سے بدتمیزی شروع کر دیتا ہے، جسے کچھ لکھنا بولنا آتا ہے وہ زبان و قلم کو اس قدر واہیات اور عقل سے عاری طور پہ استعمال کرتا ہے کہ اللہ کی پناہ۔

خاندانی نظام کا بکھراؤ:

کسی بھی معاشرے کی پہلی درسگاہ اس کا خاندانی نظام ہوتا ہے۔ والدین اور بچوں کے درمیان بڑھتا ہوا فاصلہ، بزرگوں کے احترام میں کمی، اور صرف اپنی ذات تک محدود ہو جانے کی سوچ نے نئی نسل کو ان بنیادی اخلاقی اصولوں سے محروم کر دیا ہے جو کبھی ہماری پہچان تھے۔

برداشت اور رواداری کی کمی:

معاشرے میں عدم برداشت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ معمولی باتوں پر لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ اور ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی ہے۔ سیاسی، مذہبی یا ذاتی نظریات میں اختلاف کو دشمنی کا نام دے دیا جاتا ہے، اور دوسرے کی رائے کا احترام کرنے کا جذبہ دم توڑ رہا ہے، حیرت و تعجب کی حد تب پار ہو جاتی ہے جب ہر ایک اپنے سے مختلف رائے کی علمی دلائل سے بات کرنے کے بجائے ذاتیات اور شخصیات پہ حملہ کرنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں۔

قانون کی کمزوری:

جب کسی معاشرے میں جرم کرنے والے کو سزا کا خوف نہ ہو اور سفارش یا پیسے کے بل بوتے پر قانون کو موم کی ناک بنا دیا جائے، تو وہاں اخلاقیات کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ ہم قول وفعل کے تضاد (منافقت) کا شکار ہیں؛ باتوں میں ہم سب سے اچھے ہیں، لیکن عمل کے وقت اپنے فائدے کے لیے اصول توڑنے میں دیر نہیں لگاتے۔

مزید یہ کہ اخلاقی زوال صرف حکومتوں یا اداروں کی خرابی نہیں ہے، بلکہ یہ ہماری انفرادی زندگیوں کا مجموعہ ہے۔ معاشرہ اس وقت تک نہیں بدل سکتا جب تک ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر اپنی اصلاح کی کوشش نہ کرے۔

نیز اس زوال کو روکنے کے لیے ہمیں اپنے تعلیمی نظام میں "تربیت" کو شامل کرنا ہو گا، بچوں کو کامیابی کے ساتھ ساتھ ایک اچھا انسان بننا سکھانا ہو گا، اور سوشل میڈیا کے ذمہ دارانہ استعمال کا درس دینا ہو گا۔

یقیناً علم اور اخلاق کا رشتہ ایسا ہی ہے جیسے جسم اور روح کا، یا جڑ اور درخت کا۔ جب کسی معاشرے میں علم کی جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں، تو اخلاق کا درخت خود بخود مرجھانے لگتا ہے۔

آج ہمارے مشاعرے کے افراد اعلی علم حاصل کر نے باوجود اس کے اصل مقصد سے عاری "علم" سے مراد صرف مدارس، اسکول اور کالج کی کتابیں رٹ لینا یا ڈگریاں حاصل کر لینا نہیں ہے، بلکہ علم سے مراد "شعور اور تربیت" ہے، یہی ہمیں روشنی بخشتا ہے، اجالا دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک ہے: "العلم نور"۔ آج ہمیں علم اور معلومات میں صحیح تمیز نہ ہونے کی وجہ سے اخلاقی زوال کی نحوست ملی ہے۔

انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی وجہ سے ہمارے پاس معلومات کا طوفان ہے، لیکن حقیقی علم کی کمی ہے۔ معلومات صرف یہ بتاتی ہے کہ "کیا ہو رہا ہے"، جب کہ علم اور شعور یہ سکھاتا ہے کہ "کیا صحیح ہے اور کیا غلط"۔ جب معاشرہ صرف معلومات کو ہی علم سمجھ لیتا ہے، تو وہاں ڈگریاں تو عام ہو جاتی ہیں لیکن اخلاق مٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں بڑے بڑے ڈگری ہولڈرز بھی بدتمیزی، رشوت ستانی اور بے ایمانی کرتے نظر آتے ہیں، جب کہ حقیقی علم انسان کے اندر عاجزی پیدا کرتا ہے اور اسے دوسروں کے نظریات کا احترام سکھاتا ہے۔

جب معاشرہ علم سے دور ہوتا ہے، تو وہاں جہالت اور شدت پسندی، جنم لیتی ہے۔ جاہل انسان سمجھتا ہے کہ صرف وہی سچا ہے اور باقی سب غلط، جس کی وجہ سے معاشرے میں عدم برداشت، لڑائی جھگڑے اور اخلاقی پستی پھیلتی ہے۔

اسی طرح علم سے دوری کا ایک بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان کی سوچ بہت محدود اور وقتی ہو جاتی ہے، وہ صرف اپنے فوری فائدے کو دیکھتا ہے، چاہے وہ جھوٹ سے ہو، دھوکے سے ہو یا کسی کا حق مار کر ہو۔

اس کے برعکس، صاحبِ علم انسان دور اندیش ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ بدامنی اور بداخلاقی کا نقصان آخر کار پورے معاشرے اور خود اس کی اپنی ذات کو ہو گا۔

دنیا کی کسی بھی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، جب تک ان میں علم و تحقیق کا شوق زندہ رہا، ان کا اخلاقی اور سیاسی معیار بلند رہا۔ جیسے ہی وہ علم سے دور ہوئے، عیاشی، سستی اور اخلاقی زوال نے انہیں گھیر لیا۔

ہمیں اپنے مدارس واسکول کے تعلیمی نظام کو صرف رٹا لگا کر پاس ہونے کے بجائے، کردار سازی پر توجہ دینی ہوگی۔

ہمیں اپنے معاشرے میں علما، فضلا، اساتذہ، ادیبوں اور مخلص دانشوروں کو ان کا اصل مقام دینا ہو گا، ورنہ جس معاشرے میں رول ماڈل ٹک ٹاکرز، یوٹیوبر، سوشل میڈیا اسٹار اور مادہ پرست لوگ بن جائیں، وہاں اخلاق نہیں پنپ سکتا۔

علم صرف اندھیرے کو دور نہیں کرتا، یہ انسان کو "صحیح انسان" بناتا ہے، جب تک ہم علم اور شعور کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے، اخلاقی زوال کا یہ سفر نہیں رک سکتا، کیوں کہ اخلاق کے ساتھ علم ہو تو وہی انسان کو معزز و محترم بناتا ہے۔

۱۱/۰۶/۲۰۲۶ بروز جمعرات

باپ کی جدائی ایک ایسا درد جو عمر بھر ساتھ رہتا ہے

ہیں مجھ کو درد کتنا، یہ مرا چہرہ بتاتا ہے
یتیمی مجھ پہ حاوی ہے، مرا چہرہ بتاتا ہے
مرے والد مرے اندر آج بھی زندہ ہیں
،لوگ کہتے ہیں میں جب بھی بات کرتا ہوں
،مرا لہجہ بتاتا ہے

زندگی میں کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جن کا نعم البدل کبھی نہیں ملتا، اور ان میں سب سے نمایاں رشتہ باپ کا ہے۔ باپ صرف ایک فرد کا نام نہیں بلکہ ایک مضبوط سایہ، ایک محفوظ پناہ گاہ، ایک مخلص رہنما اور اولاد کے لیے حوصلے کا پہاڑ ہوتا ہے۔ جب یہ سایہ سر سے اٹھ جاتا ہے تو انسان بظاہر جتنا بھی مضبوط نظر آئے، دل کے کسی نہ کسی کونے میں ایک خلا ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ میرے والد گرامی علامہ مولانا نورالہدی نظامی مصباحی علیہ الرحمہ کو ہم سے رخصت ہوئے تقریباً نو سال ہونے کو ہیں، مگر ان کی جدائی کا درد آج بھی پہلے دن کی طرح تازہ ہے۔ وقت گزر جاتا ہے، سال بیت جاتے ہیں، لیکن باپ کی یادیں اور اس کی کمی کبھی پرانی نہیں ہوتی۔ زندگی میں بے شمار ایسے مواقع آتے ہیں جب دل بے اختیار یہ کہتا ہے کہ کاش آج میرے ابا میرے ساتھ ہوتے، کاش میں ان سے مشورہ کر سکتا، کاش وہ اپنی محبت بھری نصیحتوں سے میری رہنمائی کرتے

میرے والد صاحب کی زندگی خدمتِ خلق، اخلاص اور ہمدردی کا حسین نمونہ تھی۔ میں نے انہیں ہمیشہ دوسروں کے دکھ درد میں شریک دیکھا۔ اگر کوئی پریشان حال ان کے پاس آتا تو وہ اپنے آرام اور مصروفیات کو ایک طرف رکھ کر اس کی مدد کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ ہمارے گاؤں اور آس پاس کے علاقوں میں لوگ انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کوئی مسئلہ ہوتا، کوئی الجھن پیش آتی یا کسی کو مشورے کی ضرورت پڑتی تو لوگ ان کے پاس آتے اور ان کی بات کو قدر کی نگاہ سے سنتے تھے وہ صرف ایک عالمِ دین نہیں تھے بلکہ ایک مخلص انسان، بہترین مربی اور لوگوں کے خیر خواہ بھی تھے۔ ان کی مجلس میں آنے والا ہر شخص عزت اور شفقت محسوس کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کا ذکر خیر لوگوں کی زبانوں پر جاری ہے۔ انسان دنیا سے چلا جاتا ہے مگر اس کا کردار اور اس کی نیکیاں اسے زندہ رکھتی ہیں، اور میرے والد صاحب بھی انہی خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنے اخلاق، علم اور خدمت کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی آج حالات بدل گئے ہیں۔ جو لوگ کبھی ہمارے دروازے پر مشورے کے لیے آتے تھے، وہ خود کو بڑا سمجھنے لگے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مقام اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور جو عزت اخلاص اور خدمت سے ملتی ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اسی حقیقت کو یہ شعر خوب بیان کرتا ہے

جن کو سورج مری چوکھٹ سے ملا کرتا تھا
اب وہ خیرات میں دیتے ہیں اُجالے مجھ کو

والد کی وفات کے بعد انسان کو صرف ایک فرد کی کمی محسوس نہیں ہوتی بلکہ ایک پوری دنیا بدل جاتی ہے یتیمی صرف سر سے سایہ اٹھ جانے کا نام نہیں بلکہ یہ احساس بھی ہے کہ اب وہ ہستی موجود نہیں جو ہر مشکل میں ڈھارس بندھاتی تھی، ہر پریشانی میں سہارا بنتی تھی اور ہر کامیابی پر دل سے خوش ہوتی تھی تاہم میرے لیے باعثِ اطمینان یہ ہے کہ میرے والد آج بھی اپنی تربیت، اپنے کردار اور اپنی یادوں کی صورت میں میرے ساتھ ہیں۔ لوگ جب میرے لہجے، اندازِ گفتگو یا رویے میں ان کی جھلک محسوس کرتے ہیں تو دل کو سکون ملتا ہے کہ میں ان کی نشانی ہوں اور ان کی تعلیمات آج بھی میرے اندر زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ میرے والدِ مرحوم کی مغفرت فرمائے ان کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کے درجات بلند فرمائے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دین، علم اور خدمتِ خلق کا چراغ روشن رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد نورالقمر نورانی قادری

موجودہ انہدامی کارروائیوں کے تناظر میں ایک چشم کشا تحریر

اسلامی عبادت گاہیں اور ہماری ذمہ داریاں

محسن رضاضیائی، پونے
موبائل نمبر: ۹۹۲۱۹۳۴۸۱۲

ملک میں گزشتہ چند برسوں سے اسلامی عبادت گاہوں پر وقتاً فوقتاً انہدامی کارروائیاں انجام دی جاتی رہی ہیں، لیکن اِن دنوں اس میں بہت زیادہ شدت دیکھنے میں آرہی ہے۔ ملک کے مختلف علاقوں میں کمزور جواز فراہم کر کے مساجد کو منہدم کیے جانے کی خبروں سے مسلم طبقے میں تشویش اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے۔

جب سے زعفرانی حکومت ملک میں برسرِ اقتدار آئی ہے، نہ ہی مسلمانوں کے سروں پر چھت باقی رہ رہے ہیں اور نہ ہی ان کی مساجد و مدارس، جن کو غیر قانونی تعمیرات بتا کر زمیں بوس کیا جارہا ہے۔ اب تک سیکڑوں مدارس و مساجد ملبے کا ڈھیر ہو چکے ہیں اور کتنے ہی مسلمانوں کے گھروں اور ان کی جائیدادوں کو تعصب و نفرت کا نشانہ بنا کر بلڈوزر کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اخباری رپورٹس کے مطابق کئی غیر تسلیم شدہ مدارس کو بھی یا تو سیل کر دیا گیا ہے یا پھر انہیں منہدم کر دیا گیا ہے۔ یہ صورتحال نہ صرف مذہبی آزادی اور آئینی حقوق کے حوالے سے سنگین سوالات کو جنم دیتی ہے بلکہ ملک کے ایک بڑے طبقے میں عدمِ تحفظ کے احساس کو بھی بڑھا رہی ہے۔

۲۰۲۶ء میں جن مساجد کو بلڈوزر کاروائی کا حصہ بنایا گیا ہے، ان کی مختصر فہرست اور معلومات یہاں پیش کی جارہی ہے۔

(۱) ۵ رجنوری ۲۰۲۶ء کو اسمولی، سنبھل (اتر پردیش) حاجی پور رسلیم پور سالار گاؤں میں واقع مدینہ مسجد اور ایک دوسری مسجد کو سرکاری زمین پر تعمیر شدہ قرار دے کر انہدامی کاروائی کا نشانہ بنایا گیا۔ ساتھ ہی ایک مدرسہ بھی منہدم کیا گیا۔

(۲) ۳۰ر مارچ ۲۰۲۶ء سیتاپور (اتر پردیش) سید حضرت عمر فاروق مسجد کو تالاب اور قبرستان کی سرکاری زمین پر تعمیر شدہ قرار دیتے ہوئے ضلعی انتظامیہ نے منہدم کیا۔

(۳) ۲۰ر مئی ۲۰۲۶ء غریب نگر، باندرہ ایسٹ، ممبئی (مہاراشٹر) ویسٹرن ریلوے کی انسدادِ تجاوزات مہم کے دوران دو مساجد منہدم کی گئیں۔ اس کارروائی کے دوران احتجاج اور جھڑپوں کی خبریں بھی سامنے آئیں۔

(۴) ۳ر جون ۲۰۲۶ء کاشی ریلوے اسٹیشن، وارانسی (اتر پردیش) از غیب شہید مزار کے ساتھ واقع مسجد کو ریلوے زمین کے تنازع اور عدالتی حکم کے بعد منہدم کیا گیا۔ انتظامیہ کے مطابق زمین ریلوے کی ملکیت تھی جب کہ مقامی مسلمانوں نے مسجد کو تاریخی قرار دیا۔

مذکورہ بالا اعداد و شمار کے مطابق حالیہ کاروائی میں ۶ر مساجد کو شہید کر دیا گیا۔ یہ صرف ایک مختصر روداد ہے، اس کے علاوہ بھی کئی مساجد و مدارس اور مزاراتِ مقدسہ ہیں، جو تعصب کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔

ابھی حال ہی میں پونے کے پمپری چنچوڑ علاقے میں بھی کچھ مساجد کو وجہ بتاؤ نوٹس (Show cause Notice) جاری کیا گیا ہے۔ ان پر بھی انہدامی کاروائی کے بادل منڈلا رہے جائے۔ اگر یہی حالات رہیں تو پھر مساجد، مدارس اور مقابر کے لیے یہ ملک بہت تنگ ہو جائے گا، جہاں ان کے نشانات تک باقی نہیں رہیں گے۔ یہ ایک ایسا حساس مسئلہ ہے، جس پر علما، وکلا، دانشوران اور سیاسی و سماجی اشخاص کو بیٹھ کر کوئی سنجیدہ اور ٹھوس حل نکالنا چاہیے، ورنہ تو حالات بے حد خراب ہو جائیں گے، جن پر قابو پانا بہت مشکل ہو جائے گا۔

اگر اِس پورے معاملے کو حقیقت کی روشنی میں دیکھیں تو اس میں ہمارے لوگوں کی بھی کوتاہیاں اور غیر ذمہ داریاں شامل ہیں، جو وقت رہتے دستاویزات درست نہیں رکھتے ہیں اور پھر جب فرمانِ شاہی آپہنچتا ہے تو دربدر بھٹکتے ہیں، جہاں بچاؤ کا کوئی راستہ نکلتا نظر نہیں آتا ہے۔ اگر قبل از وقت مساجد، مدارس اور مزارات کے کاغذات بنوا لیے یا درست کر لیے جائیں یا پھر جو مشکلات پیش آرہی ہیں، انہیں دور کر لیا جائیں تو باآسانی اِس طرح کے حالات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ لیکن عام طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے۔ اس کا ایک خاص سبب یہ ہے کہ بعض مقامات پر انتظامی امور ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہیں، جو قانونی و انتظامی معاملات اور دین و شریعت کے احکام و مسائل سے نابلد ہیں۔

جب ایسے نااہل اور جاہل قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں ذمہ داریاں ہوں گی تو پھر تباہ کن نتائج کا ظاہر ہونا فطری بات ہے۔ اس طرح کے ناعاقبت اندیشوں کی وجہ سے اب تک کئی مقدس تعمیرات ہاتھ سے نکل چکی ہیں، جن کے صرف نام باقی رہ گئے ہیں۔

لہٰذا ابھی بھی وقت ہے کہ اسلامی تعمیرات کی حفاظت وسلامتی کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں اور ان کے تحفظات کو یقینی بنایا جائے۔ یاد رکھیں کہ اگر آج اِن عبادت گاہوں، درس گاہوں اور قبر گاہوں کو منہدم ہونے سے نہیں بچایا گیا تو پھر پورے ملک میں ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر علاقے کی مسجد، مدرسہ اور خانقاہ کا نمبر آئے گا، اُس وقت سوائے افسوس کے کوئی چارۂ کار نہ ہو گا۔

ہمیں تو اس بات کا بھی شدید اندیشہ لاحق ہے کہ بڑے شہروں میں، جہاں مساجد کو منہدم کیا جارہا ہے، خصوصاً ممبئی اور پونے جیسے گنجان آباد علاقوں میں دوبارہ مسجد کے لیے زمین حاصل کرنا نہایت دشوار امر ہو گا۔ اگر کہیں زمین دستیاب بھی ہو جائے تو اس کی خریداری پر کروڑوں روپے خرچ ہوں گے اور پھر تعمیر مسجد کے لیے بھی خطیر رقم درکار ہو گی، جو عام مسلمانوں کی استطاعت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

گویا اس صورتِ حال کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ کسی مسجد کو شہید کر دیا گیا تو ممکن ہے کہ ان علاقوں میں دوبارہ مسجد تعمیر نہ ہو سکے۔ اس کے نتیجے میں وہاں کے مسلمانوں کی دینی و مذہبی زندگی اور آنے والی نسلوں کے ایمان و عقیدے پر نہایت گہرے اور منفی اثرات مرتب ہوں گے۔

اِس حوالے سے یہاں چند تجاوزات و نکات پیش کیے جارہے ہیں، جن پر عمل در آمد کر کے در پیش مسائل و حالات کا حل نکالا جاسکتا ہے۔

(۱) زمین کے کاغذات، رجسٹری، وقف نامہ، ٹرسٹ دستاویزات، نقشے، ٹیکس ریکارڈ اور دیگر ثبوت منظم انداز میں جمع کیے جائیں۔

(۲) جن زمینوں کے کاغذات نہیں ہیں، فوری طور پر اس کے لیے تگ و دو شروع کر دے۔ اگر وقف کی جائیداد ہے تو اسٹیٹ وقف بورڈ میں اور اگر غیر وقف ہے تو چیریٹی کمشنر یا رجسٹرار آف سوسائٹیز کے دفتر سے رجوع کیا جائے اور ہر ممکن طریقے سے کاغذات بنوائے جائیں۔

(۳) اگر کسی کے کاغذات اور ریکارڈ بنے ہیں، لیکن ان کی کاپیاں پاس میں موجود نہیں ہیں تو وہ اپنے علاقے کے رجسٹریشن آفس سے رجوع کرے اور اس جگہ کے تمام سرکاری ریکارڈ حاصل کرے۔

(۴) جن کے دستاویزات درست نہیں ہیں، وہ مذکورہ بالا جگہوں سے درست کروائے جائیں۔

(۵) تمام سرکاری ریکارڈ اپ ڈیٹ رکھے جائیں۔

(۶) بہت سے مقامات ایسے ہیں، جن کے ٹیکس ادا نہیں کیے گئے ہیں اور ابھی تک آڈیٹ بھی نہیں کرایا گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اولِ فرصت ٹیکس ادا کیا جائے اور جو ذرائع آمدنی ہے، اس کا آڈیٹ بھی کرایا جائے۔

(۷) بعض مساجد کے متعلق سروے میں یہ بھی بات سامنے آئی ہے کہ میونسپل کارپوریشن کی اجازت کے بغیر اُن کی تعمیرات کا رقبہ بڑھا دیا گیا ہے خاص طور سے ایک منزلہ تھا تو دو یا تین منزلہ کی عمارت میں تبدیل کر دیا گیا ہے، جو مقامی میونسپل کارپوریشن اتھارٹی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس پر بھی توجہ دینے اور اس کا مکمل حل نکالنے کی ضرورت ہے۔

(۸) کسی ماہر قانون اور ایمان دار وکیل کو ہائر کیا جائے اور مسلسل اس کے ربط میں رہ کر اُس جگہ کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔

(۹) مساجد سے ہونے والے مہنگے مہنگے پروگرام پر فوری قدغن لگایا جائے اور اس سے بچنے والی رقوم کو مسجد کے رکارڈ کو مزید مستحکم کرنے پر لگایا جائے۔

(۱۰) مساجد کے ٹرسٹ یا کمیٹی کا رجسٹریشن ہونا لازمی ہے۔ اگر نہیں ہے تو فوری کرایا جائے۔ کوشش یہ کی جائے کہ علاقے کے باشعور اور خواندہ افراد کو ٹرسٹ یا کمیٹی میں شامل کیا جائے، جو وقت و حالات کو سمجھتے ہوئے مساجد کے انتظامی و سرکاری امور کو بہتر اور منظم انداز میں چلائیں۔

یہاں ہم نے دس اہم تجاویز و تدابیر پیش کیں، ممکن ہے کہ اُن پر غور و فکر کیا جائے اور انہیں روبۂ عمل لا کر مساجد کو منہدم ہونے یا اس کے خدشات سے بچایا جاسکے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں مسلمانوں کو یہ بات سمجھنے کی ہے کہ عبادت گاہوں کا تحفظ صرف جذبات اور احتجاج سے ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لیے دستاویزات کی موجودگی و درستگی، قانونی چارہ جوئی، شفاف کمیٹی اور دور اندیش مسلم قیادت ناگزیر ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وقت کا یہ شدید تقاضا بھی ہے کہ آج کے ہوش ربا حالات میں ایک جامع اور مستحکم منصوبہ بندی کی جائے تاکہ مستقبل میں کسی بھی قانونی یا انتظامی پیچیدگی کا مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کیا جاسکے۔

اسٹیجی جنازہ ہے ذرہ دھوم سے نکلے۔

رواں دور کے اسٹیجوں کی دنیا پہلے ہی جہالت کی سڑتی فکر سے تعفن زدہ ہے۔ اس پر طرفہ یہ کہ بعض قدر شناس عزت مآب ہستیاں ایسی بھی ہیں جو بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے سے گریز نہیں کرتیں۔ افکار و خیالات، علوم و فنون اور دانش و بینش کی اس سڑتی ہوئی تعفن زدہ نعش کو سپردِ خاک کرنے کی بجائے لبِ بام لا کر تماشائیوں کا ہجوم اکھٹا، داد پرستی اور اپنی بے ساق پنڈلی کو بیساکھی کے سہارے قابلِ تحرک بنایا جارہا ہے۔ اس پر ماتم یہ کہ شریکِ جرم قد آور شمار کی جانے والی شخصیات ہیں، اب سوال یہ ہے کہ مجرمین سزوار کیسے ٹھہریں، ارے ہاں میں نے تو یہ مسلمہ قضیہ بسرا دیا تھا کہ ناکردہ گناہوں پر سزائیں ہوتی ہیں جبکہ بالعمد خود کردہ خطاوؤں پر کوئی سزا، کوئی گرفت نہیں۔ باقی آپ سمجھدار ہیں۔....! ابھی چند روز قبل مجھے اسی کوڑھ کی مرض میں مبتلا ایک اور اسٹیج کی خبر پہنچی۔ قضیہ کچھ یوں ہے کہ ایک نامی گرامی عزت مآب ہستی ابراہیم ذوق کے مطابق

ہے قفس سے شور اک، گلشن تلک، فریاد کا خوب طوطی بولتا ہے اِن دنوں صیاد کا

آنجہانی کا بھی طوطی بولتا ہے، جبکہ حقیقت میں بھیڑیا شیر کا خول اوڑھے ہوئے ہے۔ اسٹیجی مافیاوؤں اور اجارہ داروں کے سربراہ آنجہانی ہی ہیں، اس خطے میں۔ ان کی عادتِ کریھہ یہ ہے کہ اپنے شناوروں، قرابت داروں، اور چیں جبینوں کو صرف جگہ ہی نہیں دیتے بلکہ انہیں کو موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ جبکہ دیگروں کو اسٹیج کے جوار میں بھی دیکھنا آنحضرت پر گراں گزرتا ہے۔ اگر کسی صورت کوئی قریب بھی ہو لیتا ہے، تو اس کی باریابی کو بڑے ہی تنگ اوقات میں مقید کر دیا جاتا ہے۔

ان حقداروں کے حقوق چیخ چیخ کر فریاد کر رہے ہیں
بولتے کیوں نہیں مرے حق میں آبلے پڑ گئے زبان میں کیا

سو ہم نے آبلہ پائی کا لنگر بادبانی کشتی سے ظلم کے سمند میں ڈال دیا ہے، باد مخالف کا خوف ہے نہ ہی منزل کی دشواریوں سے سروکار آخر میں بس اتنا ہی کہوں گا۔ اس بڑھتے کوڑھ کے ناسور کا اگر بروقت تدارک نہیں کیا گیا تو اللہ بھروسے۔۔۔۔۔۔۔!

از

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

٭گزشتہ صدیوں میں خدامِ دین اور اب ہماری ذمہ داریاں٭

ارشاد احمد

ہمارے اکابرین اور علما و اولیا نے گلشنِ اسلام کی جابجا اساس رکھی، پھر پیہم اس کی آبیاری کرتے رہے۔ انہوں نے ایک طویل مدت تک انتھک تگ و دو سے اسے عروج کی منزل سے ہمکنار کیا اور اس کی نگہبانی کا فریضہ انجام دیتے رہے، تاکہ نسلِ نو کسی غیر کے بچھائے ہوئے فکری جال میں نہ پھنسے اور فریب کھا کر سبز باغ نہ دیکھتی رہے، بلکہ سراپا اسلامی سانچے میں ڈھل کر شرعی اصول و ضوابط کے سائے میں زندگی گزار سکے۔

تاریخ کے اوراق گواہی دے رہے ہیں اور حالات اس بات کا تقاضا کر رہے ہیں کہ ہمیں اپنے اسلاف کی وراثت کا امین ہونا چاہیے، اپنے اکابر کے مشن کو فروغ دینا چاہیے اور ان کے ہدف کو تکمیل کی راہ پر گامزن کرنا چاہیے۔ لیکن ہمیں تو ان سب چیزوں کے لیے مہلت ہی نہیں! ہمارے پاس اگر فارغ وقت ہے بھی، تو صرف ان کے لگائے ہوئے باغ سے فائدہ اٹھانے اور دنیوی و ناپائیدار عزتیں حاصل کرنے کے لیے۔ جب کبھی فرصت کے لمحات میسر ہوں تو پرسکون ماحول میں اس حوالے سے غور و فکر کرنا ہماری ضرورتوں میں شامل ہے۔

ہمارے علاقے میں تعلیم کے حوالے سے جو خلا ہے، اس کو پُر کرنا زمانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس نوعیت کا مسئلہ نہایت پسماندہ اور تشویش ناک ہے، اس لیے کہ تعلیم کی اہمیت و افادیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ اسپین کا سقوط اور اس ملک سے ملتی جلتی دوسرے ممالک کی داستانیں ہمارے لیے ایک تازیانہ عبرت ہے؛ ایک ایسا تازیانہ جو ہمارے دل و دماغ کو جھنجھوڑتا ہے اور ہماری سطحِ ذہن پر ہمیشہ ایک سوال بن کر ابھرتا ہے، جس کا بروقت جواب نہ دیا جائے تو بات اتنی بگڑتی ہے کہ بنائے نہیں بنتی۔ لہٰذا اس حساس اور نازک گتھی کو نہایت سنجیدگی سے سلجھانا چاہیے، ورنہ اس کا خمیازہ آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑے گا۔ جس طرح ہمارے اسلاف نے اپنی اپنی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھائی اور ایک عظیم امانت سے سبکدوش ہوئے، اسی طرح ہمیں بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے؛ ہمیں اپنے اندر دین کے کام کا بوجھ اٹھانے کا ہنر پیدا کرنا چاہیے تاکہ راہِ حق میں درپیش آزمائشوں کا پامردی سے دفاع کیا جا سکے، یا انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر آگے کی طرف مزید برق رفتاری سے قدم بڑھایا جائے۔ جب تک ایک باقاعدہ ادارہ معرضِ وجود میں نہ آئے، اس وقت تک تعلیمی بیداری کے حوالے سے چھوٹے چھوٹے قدم آگے بڑھائے جائیں، نئی نئی پیش رفت کر کے راہیں ہموار کی جائیں اور تدریجاً ان امور میں پیش قدمی کی جائے تاکہ بعد کے لیے سہولت فراہم ہو۔ آیئے، پیچھے کی طرف مڑ کر ذہن کے دریچے وا کریں اور ماضی کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ یہ وقت ایک دوسرے کا منہ تکنے کا نہیں، یہ وقتِ عمل، وقتِ عمل، وقتِ عمل ہے!

یاد رکھیں! اس راہ میں مخالفت کے کانٹے بچھے ہیں اور اس بازار تک پہنچنے کے لیے اذیت ناک راستوں سے گزرنا پڑے گا، لیکن یہ سب محض آزمائشیں ہیں۔ اگر ذوقِ عمل ہو تو فرسودہ زنجیریں خود کٹ جاتی ہیں اور یقین کی ایڑی سے زم زم کا چشمہ ابلنے لگتا ہے۔ یقیناً اس کے بعد ایک ایسی منزل ہے جس سے مبلغینِ اسلام، داعیانِ دین اور خادمینِ ملت ہمکنار ہوتے ہیں اور سرمدی نعمتوں وراحتوں سے اپنا دامن بھر لیتے ہیں۔ حقیقتاً یہی لوگ فلاح و ظفر کی منزل پاتے ہیں، اور واقعتاً ان لوگوں سے زیادہ طعن و تشنیع، مخالفت و مخاصمت اور پرخار وادیوں کا سامنا کسی اور نے نہیں کیا ہوگا۔

۶ ذی القعدہ ۱۴۴۷ھ
۲۴ اپریل ۲۰۲۶ء

جہیز: ایک معاشرتی ناسور اور ہمارا کردار

٭ تحریر: محمد فداء المصطفیٰ قادری٭

انسانی معاشرہ مختلف رسوم و روایات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ بعض رسمیں ایسی ہوتی ہیں جو معاشرے کی تعمیر، خوش حالی اور استحکام کا ذریعہ بنتی ہیں، جبکہ بعض رسمیں ایسی بھی جنم لیتی ہیں جو رفتہ رفتہ پورے سماج کے لیے زہرِ قاتل ثابت ہوتی ہیں۔ برصغیر کے مسلم معاشرے میں جہیز کی رسم انہی مہلک معاشرتی بیماریوں میں سے ایک ہے جس نے بے شمار خاندانوں کی خوشیوں کو نگل لیا، والدین کی کمروں کو قرضوں کے بوجھ سے جھکا دیا اور شادی جیسے مقدس اسلامی رشتے کو ایک تجارتی معاملے میں تبدیل کر دیا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ جس رسم کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، وہ آج بعض مسلمانوں کے نزدیک معاشرتی وقار اور عزت کا معیار بن چکی ہے۔

جہیز دراصل اس سامان کو کہا جاتا ہے جو لڑکی کے والدین شادی کے موقع پر اپنی بیٹی کو دیتے ہیں، لیکن موجودہ دور میں اس کا مفہوم یکسر بدل چکا ہے۔ اب یہ محبت اور تعاون کی علامت نہیں بلکہ ایک ایسی معاشرتی مجبوری بن چکی ہے جس کے بغیر اکثر رشتے طے نہیں ہوتے۔ کہیں نقد رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے، کہیں گاڑی کی فرمائش ہوتی ہے، کہیں قیمتی فرنیچر اور برقی آلات کی فہرست تھمادی جاتی ہے۔ بظاہر اسے تحفہ کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک ایسا دباؤ ہے جس کے نیچے غریب اور متوسط طبقہ بری طرح پس جاتا ہے۔

اسلام نے نکاح کو آسان بنانے کی تعلیم دی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
"وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ" ترجمہ: "اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دیا کرو، اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔" (القرآن، سورۃ النور: ۳۲، ترجمہ کنز الایمان، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اس آیت میں نکاح کو آسان بنانے کی ترغیب دی گئی ہے، لیکن آج ہم نے نکاح کو اتنا مشکل بنا دیا ہے کہ ہزاروں لڑکیاں صرف جہیز کی وجہ سے شادی کی عمر گزر جانے کے باوجود اپنے گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں۔ یہ صورتحال نہ صرف معاشرتی بگاڑ کو جنم دیتی ہے بلکہ بہت سی اخلاقی اور نفسیاتی خرابیوں کا سبب بھی بنتی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْونَةً"۔ ترجمہ: "سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو۔" (مسند احمد بن حنبل، جلد ۶، صفحہ ۱۴۵، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

یہ حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ برکت کا تعلق نمود و نمائش اور فضول اخراجات سے نہیں بلکہ سادگی اور اخلاص سے ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں برکت کی جگہ دکھاوا، تفاخر اور مقابلہ بازی نے لے لی ہے۔

جہیز کی رسم کے پھیلنے کی ایک بڑی وجہ معاشرتی نمود و نمائش ہے۔ بعض لوگ اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرتے ہیں تاکہ رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے سامنے اپنی شان و شوکت کا اظہار کر سکیں۔ ایک خاندان جب اس طرح کا غیر ضروری خرچ کرتا ہے تو دوسرے خاندان بھی اسی کی تقلید کرتے ہیں۔ یوں ایک غلط روایت پورے معاشرے میں جڑ پکڑ لیتی ہے۔ اردو کی کہاوت ہے: "دیکھا دیکھی سادھے جوگ، چھوٹے جان سے بڑا روگ۔" حقیقت بھی یہی ہے کہ تقلیدِ باطل نے اس ناسور کو مزید مضبوط کر دیا ہے۔

ہندوستانی مسلم معاشرے میں جہیز کے نتیجے میں بے شمار معاشرتی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ غریب والدین اپنی بیٹیوں کی شادی کے لیے سودی قرض لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کئی خاندان اپنی زمینیں اور زیورات فروخت کر دیتے ہیں۔ بعض گھروں میں برسوں کی جمع پونجی صرف ایک دن کی نمائش کی نذر ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود اگر مطالبات پورے نہ ہوں تو لڑکی کو طعنوں، ذلتوں اور بعض اوقات جسمانی و ذہنی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ رویہ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ مزید افسوس ناک بات یہ ہے کہ بعض نوجوان، جو خود کو تعلیم یافتہ اور مہذب سمجھتے ہیں، جہیز کے مطالبات کو اپنا حق تصور کرتے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام میں مرد کو لینے والا نہیں بلکہ دینے والا بنایا گیا ہے۔ شریعت نے عورت پر مہر فرض نہیں کیا بلکہ مرد پر مہر لازم کیا ہے۔ اگر اسلام کا مزاج سمجھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام معاشی بوجھ لڑکی کے خاندان پر نہیں بلکہ مرد پر ڈالتا ہے تاکہ عورت عزت اور وقار کے ساتھ ازدواجی زندگی کا آغاز کر سکے۔

نے بھی متعدد مقامات پر فضول رسموں اور غیر شرعی معاشرتی بوجھوں کی مذمت فرمائی ہے اور مسلمانوں کو سنت کے مطابق سادہ نکاح اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ اہلِ علم ہمیشہ سے اس بات پر زور دیتے آئے ہیں کہ شادی کو آسان بنایا جائے اور ایسی رسوم کا خاتمہ کیا جائے جو شریعت اور عقل دونوں کے خلاف ہوں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بیماری کا علاج کیا ہے؟ سب سے پہلی ذمہ داری نوجوانوں پر عائد ہوتی ہے۔ اگر نوجوان خود یہ اعلان کر دیں کہ وہ جہیز نہیں لیں گے تو اس مسئلے کا ایک بڑا حصہ خود بخود حل ہو سکتا ہے۔ معاشرے کی تبدیلی ہمیشہ نوجوان نسل سے شروع ہوتی ہے۔ جو نوجوان اپنی تعلیم، دیانت اور کردار پر فخر کرتا ہے، اسے چند سامانِ دنیا کے لیے اپنی عزتِ نفس کا سودا نہیں کرنا چاہیے۔

دوسری ذمہ داری والدین کی ہے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بیٹوں کی تربیت اس انداز سے کریں کہ وہ جہیز کو حق نہیں بلکہ ایک معاشرتی برائی سمجھیں۔ اسی طرح بیٹیوں کے والدین کو بھی غیر ضروری مقابلہ بازی سے بچنا چاہیے۔ اگر اپنی خوشی سے کوئی ضروری سامان بیٹی کو دینا چاہیں تو یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے، لیکن اسے معاشرتی فریضہ یا عزت کا معیار نہیں بنانا چاہیے۔

تیسری ذمہ داری علماء، ائمہ اور دینی اداروں کی ہے۔ مساجد کے خطبات، دینی اجتماعات اور اصلاحی پروگراموں میں اس مسئلے کو مستقل موضوع بنایا جانا چاہیے۔ جب تک عوامی شعور بیدار نہیں ہوگا، اس رسم کا خاتمہ مشکل رہے گا۔ علماء کرام کو چاہیے کہ نکاح کے موقع پر جہیز کے خلاف واضح پیغام دیں اور سنت کے مطابق سادہ شادیوں کی حوصلہ افزائی کریں۔

چوتھی ذمہ داری سماجی تنظیموں اور تعلیمی اداروں کی ہے۔ اسکولوں، کالجوں اور جامعات میں نوجوانوں کو یہ شعور دیا جائے کہ انسان کی عزت اس کے کردار، علم اور تقویٰ میں ہے، نہ کہ جہیز کے سامان میں۔ ایسے نوجوانوں اور خاندانوں کی حوصلہ افزائی کی جائے جو بغیر جہیز کے نکاح کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جہیز صرف ایک رسم نہیں بلکہ ایک ذہنی بیماری ہے۔ جب تک ذہن تبدیل نہیں ہوں گے، قوانین اور نعروں سے مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے گھروں سے اس اصلاح کا آغاز کریں۔ اگر ہر مسلمان یہ عہد کر لے کہ نہ جہیز لے گا، نہ اس کا مطالبہ کرے گا اور نہ اس رسم کی حوصلہ افزائی کرے گا، تو آنے والی نسلیں اس لعنت سے محفوظ ہو سکتی ہیں۔

آج وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اسلام کی اصل تعلیمات کی طرف رجوع کریں، نکاح کو آسان بنائیں، سادگی کو اپنائیں اور جہیز جیسی ظالمانہ رسم کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیں۔ یہی دینی غیرت کا تقاضا ہے، یہی معاشرتی اصلاح کا راستہ ہے اور یہی وہ عمل ہے جس کے ذریعے ہم اپنی بیٹیوں کے مستقبل کو محفوظ اور اپنے معاشرے کو ایک بڑے ناسور سے نجات دلا سکتے ہیں۔ بقول شاعر:

رسم و رواجِ باطل کو مٹانا ہو گا
ہر گھر کو سنتوں سے سجانا ہو گا

اگر ہم نے آج اس مسئلے کے حل کی سنجیدہ کوشش نہ کی تو آنے والی نسلیں بھی اسی بوجھ تلے کراہتی رہیں گی، لیکن اگر ہم نے ہمت، بصیرت اور اخلاص کے ساتھ قدم اٹھایا تو یقیناً ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جہاں شادی خوشی، محبت اور رحمت کا پیغام ہوگی، تجارت اور مطالبات کا میدان نہیں۔

٭ تحریر: محمد فداء المصطفیٰ قادری٭
رابطہ نمبر: ۹۰۳۱۷۰۹۹۷۳۱
پی جی ریسرچ اسکالر:
دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی، کیرلا

شہید ہوتی مسجدیں!!٭

غلام مصطفےٰ نعیمی ہاشمی
روشن مستقبل دہلی

چھ دسمبر ۱۹۹۲ کا دن بھارت کی تاریخ میں ایک بدنما داغ بن کر آیا۔ ہزاروں لوگوں کی بھیڑ نے بابری مسجد کی بوسیدہ دیواروں پر اپنی "بہادری" کے جوہر دکھائے۔ دن کے اجالے میں مسجد شہید کر کے مورتیاں نصب کر دی گئیں۔ اس طرح قانون کو جوتے کی نوک پر رکھ کر مسجد کو جبراً مندر بنا لیا گیا۔

مندر تو بابری مسجد کو اس وقت ہی بنا لیا گیا تھا جب دسمبر ۱۹۴۹ کی رات سازشاً مورتیاں رکھی گئی تھیں۔ اگلے ہی دن ضلع جج نے نمازوں پر پابندی اور پوجا کی قانونی اجازت دے دی۔ لیکن دسمبر ۱۹۹۲ کو مسجد کی ظاہری عمارت کو بھی شہید کر دیا گیا۔ ۲۷ سال کی طویل قانونی لڑائی لڑنے اور تمام تر شواہد پیش کرنے کے باوجود محض "ہندو آستھا" کی بنیاد پر نو نومبر ۲۰۱۹ کو قانونی طور پر بابری مسجد کو رام مندر ڈکلئر کر دیا گیا۔ اس فیصلے پر مسلمانوں کی غیر ضروری خاموشی نے شدت پسندوں کو ایک نیا نسخہ دے دیا۔ وہ نسخہ تھا بغیر بدنامی و محنت کیے کورٹ کے ذریعے مساجد کو مندر میں بدلنا یا مساجد کو شہید کرنا۔ اب اسی پالیسی پر چلتے ہوئے مسجدوں کو مندروں میں تبدیل کیا جا رہا ہے یا انہیں مختلف حیلوں بہانوں سے شہید کیا جا رہا ہے۔

🔷 ______ پچیس ستمبر ۲۰۲۵ کو سنبھل کے رانواں بزرگ نامی گاؤں میں مسجد غوث الوریٰ کو شہید کیا گیا۔ اس کے علاوہ اسی گاؤں میں ایک مدرسہ بھی غیر قانونی بتا کر شہید کیا گیا۔

🔶 ______ تین جنوری ۲۰۲۶ کو ضلع سنبھل کے حاجی پور میں ایک مسجد اور مدرسے کو شہید کیا گیا۔

🔷 ______ پندرہ مئی ۲۰۲۶ کو مدھیہ پردیش کے ضلع دھار میں واقع کمال مولی مسجد کو ایم پی ہائی کورٹ نے واگ دیوی مندر ڈکلئر کر دیا۔ اس طرح سات سو سالہ قدیم مسجد ایک جھٹکے میں بت خانہ میں تبدیل ہو گئی۔ ہائی کورٹ کے جج صاحبان اس قدر جلدی میں تھے کہ فیصلہ سناتے ہوئے مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر فی الفور پابندی بھی لگا دی تاکہ سپریم کورٹ سے اسٹے ملنے کے باوجود پوجا جاری رہ سکے۔

🔶 ______ پانچ اپریل ۲۰۲۶ کو سنبھل کے ہی مبارک پور بند گاؤں میں ایک مسجد کو شہید کیا گیا۔

🔷 ______ گیارہ مئی کو پونا شہر کے کُدل واڑی علاقے میں مدینہ مسجد اور ابو بکر مسجد کو شہید کیا گیا۔

🔶 ______ اکیس مئی ۲۰۲۶ کو ممبئی کے باندرہ ایسٹ میں مسجد فیضان مصطفیٰ، مسجد غریب نواز اور مسجد انعام کو شہید کیا گیا۔

🔷 ______ دو جون کو دہرادون کے تھانوں علاقے میں واقع جامع مسجد کو نقشہ نہ ہونے کی بات پر سیل کر دیا گیا۔ مسجد 1979 سے قائم ہے۔ پانچوں وقت نماز ہوتی آئی ہے لیکن اب بغیر کسی نوٹس مسجد کو قانونی طور پر بند کر دیا گیا۔

🔶 ______ چھ جون ۲۰۲۶ کو سنبھل ہی کسیروا گاؤں میں ایک دو منزلہ مسجد کو قانونی آرڈر کے نام پر شہید کر دیا گیا۔ طرفہ تماشا یہ کہ مسجد میں موجود اسلامی جھنڈے کو پاکستانی جھنڈا، اور آئی لو محمد لکھے پوسٹر کو متنازع مواد مان کر متولی سمیت آٹھ دس لوگوں کے خلاف مقدمہ بھی درج کرا دیا۔

🔷 ______ نو جون کو پونا شہر کے کُدل واڑی علاقے میں ایک ہی رات میں پانچ مسجدیں، چشتیہ مسجد، ابوہریرہ مسجد، مسجد نعیم، مسجد علی اور مسجد خدیجہ کو شہید کر دیا گیا۔ ابھی اس علاقے میں مزید گیارہ مسجدیں بھی انہدامی کاروائی کی زد میں ہیں۔

🔶 ______ نو جون ہی کو راجستھان کی راجدھانی جے پور میں چار منزلہ نورانی مسجد کو تمام تر درست کاغذات ہونے کے باوجود شہید کر دیا گیا۔

یہ فہرست مشتے نمونہ از خروارے کی قبیل سے ہے، وگرنہ اصل صورت حال اس سے کہیں زیادہ ابتر ہے۔ اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس وقت مساجد پوری طرح حکومت و انتظامیہ کے نشانے پر ہیں۔

______ ہمارے کرنے کے کام

مساجد کا انہدام اگرچہ بے حد تکلیف دہ ہے لیکن ہمیں مایوس نہیں ہونا ہے۔ روئے زمین ہمارے لیے مسجد بنائی گئی ہے۔ اللہ کی زمین اتنی تنگ نہیں ہے کہ ہمیں سجدے کے لیے جگہ نہ مل سکے، لیکن ہمیں کچھ چیزوں پر قدرے سنجیدگی اور سمجھ داری برتنے کی ضرورت ہے۔

1۔ مسجد بناتے وقت حتی الوسع کچی اور غیر ملکیتی زمینوں سے پرہیز کریں۔ اگرچہ دوسروں کی عبادت گاہیں کتنی ہی بنی ہوں۔

2۔ تعمیرات سے متعلق ضابطوں کا خصوصی خیال رکھیں۔ آپ کی ذرا سی بے توجہی ان کے لیے انہدام کی بنیادی وجہ بن جاتی ہے۔

3۔ اندرونی تنازع کی بنیاد پر مساجد و مدارس کی کسی بھی طرح کی شکایت نہ کریں۔ بہت سی مساجد اندرونی اختلافات کی نذر ہوئی ہیں۔

4۔ قدیم مساجد سے متعلق تاریخی دستاویز تلاشے جائیں۔ مسجد سے متعلق اہم اطلاعات / معاملات اور تذکروں کی فائل بنا کر رکھی جائے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔ بہت ساری تاریخی مسجدیں اپنے آپ میں مکمل تاریخ ہونے کے باوجود کاغذی طور پر کمزور پڑ گئیں۔

میرے عزیز!

مومن حالات سے مایوس ہوتا ہے نہ بد دل! مصیبت بڑھتی ہے تو رجوع الی اللہ کرتا ہے۔ اپنی خامیوں کو درست کرتا ہے۔ فہم و فراست کو اختیار کرتا ہے۔

آیئے اپنے رب کو راضی کریں۔ مومنانہ صفات اختیار کریں۔ اپنی خامیوں کو خوبیوں میں تبدیل کریں۔ حوصلہ بلند رکھیں۔ فہم و فراست سے کام لیں۔ مایوس ہوں، نہ ہونے دیں۔ حق و صداقت کو کردار کا حصہ بنائیں۔ سچائی کے علم بردار بنیں۔ کردار کے دھنی بنیں۔ زبان پکی نیت سچی اور کوشش اچھی رکھیں۔ ان شاء اللہ بہت جلد مشکلوں کے بادل چھٹ جائیں گے اور امن و انصاف کا سورج ایک بار پھر بلند ہو گا۔

24 ذوالحجہ ۱۴۴۷ھ

جامعۃ العلیم گورے گاؤں میں عرس مبلغِ اسلام علیہ الرحمہ کا انعقاد٭

عظیم عالمی مبلغِ اسلام، خلیفۂ اعلی حضرت، سفیرِ امن و محبت، حضرت علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی مدنی علیہ الرحمہ کے عرسِ مقدس کی مناسبت سے آپ کی بارگاہ اقدس میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے آج بتاریخ ۲۳ / ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ بروز چہار شنبہ جامعۃ العلیم، گورے گاؤں وانگنی ضلع تھانے مہاراشٹر میں ایک پُروقار اور روحانی مجلس کا انعقاد کیا گیا۔

اس بابرکت تقریب میں جامعہ کے اساتذۂ کرام اور طلبۂ عظام نے نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ شرکت کی۔ مجلس کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا، بعدہ نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کے دلنواز نغموں سے قلوب و اذہان منور مجلی ہوئے۔ حاضرین نے حضور مبلغِ اسلام علیہ الرحمہ کی علمی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا.

جامعہ ہذا کے مؤقر استاذ اور نائب صدر المدرسین حضرت مولانا غلام محی الدین جیلانی علیمی نے حضور مبلغ اسلام علیہ الرحمہ کے مبارک دعوتی مشن کی اہمیت و افادیت اور ان کی دینی جدوجہد کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے خصوصی خطاب میں بیان کیا

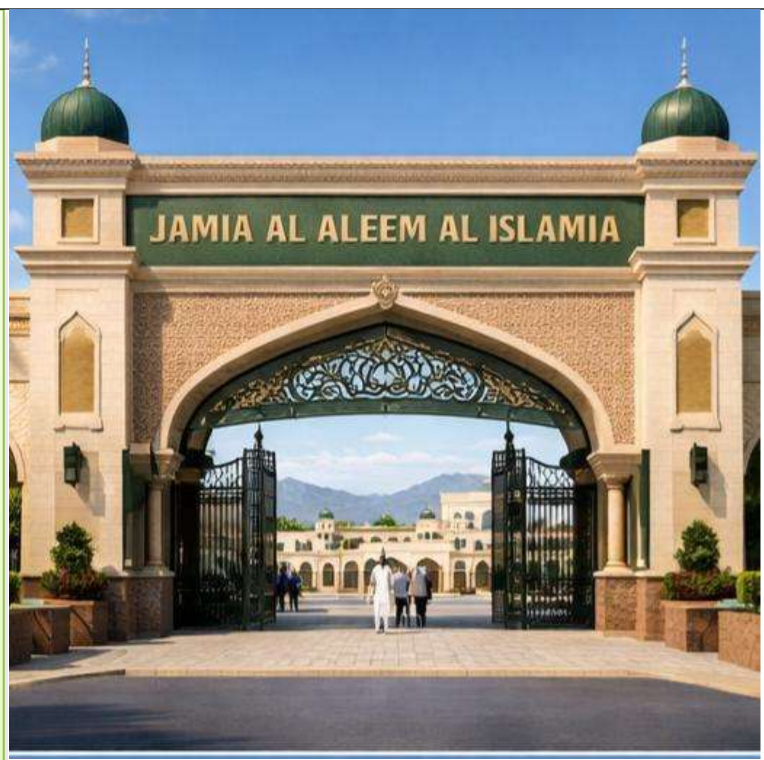

کہ حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے دنیا کے مختلف ممالک میں اسلام کا پیغامِ محبت و اخوت عام کیا اور اپنے علم، اخلاص اور حسنِ کردار سے لاکھوں دلوں کو نورِ ایمان سے منور فرمایا۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ آج بھی داعیانِ اسلام کے لیے مشعلِ راہ ہے۔
تقریب کے اختتام پر قرآن خوانی و فاتحہ کے ذریعہ حضور مبلغ اسلام علیہ الرحمہ کی روح پر فتوح کو ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا اور امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود اور ملک و ملت کے امن و استحکام کے لیے بارگاہِ الٰہی میں خصوصی دعا کی گئی۔
اللہ تعالیٰ مبلغِ اسلام حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات سے امتِ مسلمہ کو مالامال فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔
آمین۔

اب مت سناؤ اور کوئی تذکرہ مجھے
سننا ہے صرف ذکرِ حبیبِ خدا مجھے
بد بختیوں کی چھو نہ سکے گی ہوا مجھے
سائے میں اپنے رکھتی ہے ماں کی دعا مجھے
ذکر رسول سننے سنانے میں دوستو
میں کیا بتاؤں آتا ہے کتنا مزہ مجھے
کہتے ہیں جو حضور کو اپنی طرح بشر
پروردگار سائے سے ان کے بچا مجھے
جس پر نثار خلد کی زیبائیاں بھی ہیں
اللہ تو دکھا دے وہ گنبد ہرا مجھے
یہ تو مرے رسولِ مکرم کا فیض ہے
نعتِ نبی کا فن جو ہوا ہے عطا مجھے
رعنائیِ بہشت کا منظر ہے ہر طرف
جا کر دیارِ آقا میں ایسا لگا مجھے
اجمیر کیوں نہ جاؤں عقیدت کے ساتھ میں
ملنا وہیں سے خلد کا ہے راستہ مجھے
سنتے ہی لوگ مجھ سے رضا خاں کی منقبت
کہنے لگے ہیں بلبلِ باغِ رضا مجھے
زاہد "نبی کی نعت کے ہونٹوں پہ سجتے ہی"
شہرِ نبی میں عشق میرا لے گیا مجھے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

چہار باغ: بچوں کے ادب کا مہکتا گلشن، ڈاکٹر قیصر زاہدی کی علمی و ادبی کاوش کو بھرپور خراجِ تحسین

سیّد آصف امام کاکوی

زندگی میں بعض لمحے ایسے ہوتے ہیں جو وقت گزر جانے کے باوجود دل کی کتاب میں سنہرے حروف سے لکھے رہتے ہیں۔ وہ لمحے محض ملاقاتیں نہیں ہوتے بلکہ محبت، خلوص، علم اور ادب کی ایسی دولت بن جاتے ہیں جو انسان کے دل و دماغ کو ہمیشہ کے لیے منور کر دیتی ہے۔ میرے لیے بھی حال ہی میں ایسا ہی ایک یادگار اور قابلِ فخر لمحہ آیا جب اردو ادب کی معروف شخصیت، بچوں کے محبوب ادیب، شاعر اور محقق ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔ یہ محض ایک رسمی ملاقات نہ تھی بلکہ محبت، شفقت، اخلاص اور ادب کے چراغوں سے جگمگاتی ایک ایسی محفل تھی جس کی خوشبو مدتوں میرے گھر اور میرے دل میں مہکتی رہے گی۔ ڈاکٹر صاحب کی آمد میرے لیے اعزاز تھی، لیکن اس سے بڑھ کر خوشی اس وقت ہوئی جب انہوں نے میرے بچوں کو اپنی مرتب کردہ خوبصورت کتاب "چہار باغ" بطور تحفہ پیش کی۔ بچوں کے ہاتھوں میں جب "چہار باغ" آئی تو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی مالی نے ننھے پودوں کو پھولوں سے بھرا ایک باغ تحفے میں دے دیا ہو۔ یہ صرف ایک کتاب نہ تھی بلکہ علم، اخلاق، تہذیب اور اردو ادب کا ایک قیمتی خزانہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی آنکھوں میں بچوں کے لیے محبت اور مستقبل کے لیے امید صاف جھلک رہی تھی۔ ان کا یہ انداز بتا رہا تھا کہ وہ صرف کتابیں نہیں لکھتے بلکہ نسلوں کی تعمیر کا خواب بھی دیکھتے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں بے شمار کتابیں دیکھی ہیں، لیکن کچھ کتابیں ایسی ہوتی ہیں جن کے صفحات میں صرف الفاظ نہیں بلکہ مصنف اور مرتب کے جذبات، خواب اور دعائیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ "چہار باغ" بھی ایسی ہی ایک کتاب ہے۔ اس کے ہر صفحے سے اردو ادب کی محبت ٹپکتی ہے، ہر نظم بچوں کے دل میں روشنی پیدا کرتی ہے اور ہر مضمون انہیں اچھا انسان بننے کا درس دیتا ہے۔ جب ہم ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب کی مرتب کردہ خوبصورت کتاب "چہار باغ" کا مطالعہ کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی ایسے دلکش باغ میں داخل ہو گئے ہیں جہاں ہر طرف علم کے پھول، ادب کی خوشبو، اخلاق کی مہک اور تربیت کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ اس باغ کا ہر گوشہ اپنے اندر ایک نئی تازگی، ایک نئی روشنی اور ایک نئی دنیا سموئے ہوئے ہے۔ چہار باغ" کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں شامل ہر نظم اور ہر مضمون بچوں کے ذہن و دل کو متاثر کرتا ہے۔ جب بچے شاہد جمیل صاحب کی خوبصورت اور پر اثر نظمیں پڑھتے ہیں تو ان کے دلوں میں نیا جوش، نئی امنگ اور آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ان کی نظموں کے الفاظ صرف شعر نہیں ہوتے بلکہ حوصلے کے چراغ بن کر بچوں کے اندر خود اعتمادی اور مثبت سوچ پیدا کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں بچوں کے خواب بھی ہیں، ان کی مسکراہٹیں بھی ہیں اور ان کے روشن مستقبل کی امیدیں بھی۔ اسی طرح جب مناظر حسن شاہین صاحب کی دل نشین نظمیں سامنے آتی ہیں تو بچے اپنے آپ کو ایک ایسی ادبی دنیا میں محسوس کرتے ہیں جہاں لفظوں کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں اور جذبات کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ ان کی شاعری بچوں کے دل میں محبت، اخوت، انسان دوستی اور وطن سے وابستگی کے جذبات کو بیدار کرتی ہے۔ ان کی نظموں میں ایسا سحر ہے جو بچوں کو نہ صرف لطف اندوز کرتا ہے بلکہ ان کی شخصیت کی تعمیر میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اور جب کتاب کے صفحات پر سلطان احمد ساحل صاحب کے مضامین اور دلکش کہانیاں جلوہ گر ہوتی ہیں تو گویا بچوں کے لیے خوابوں کی ایک نئی دنیا کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں دلچسپی بھی ہے، سبق بھی ہے اور ایسی کشش بھی جو قاری کو ابتدا سے آخر تک اپنے ساتھ باندھے رکھتی ہے۔ بچے جب ان کہانیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو خود کو ان کرداروں کے درمیان محسوس کرتے ہیں۔ کبھی وہ کسی ننھے مسافر کے ساتھ سفر کرتے ہیں، کبھی کسی پھول کی خوشبو کے ساتھ چلتے ہیں اور کبھی کسی روشن خیال کردار کے ساتھ کامیابی کی منزلوں کی طرف بڑھتے ہیں۔

سلطان احمد ساحل صاحب کی تحریروں کا سب سے خوبصورت پہلو یہ ہے کہ وہ بچوں کو محض تفریح فراہم نہیں کرتیں بلکہ ان کے دل و دماغ میں اچھے خیالات، بلند اخلاق اور بہتر انسان بننے کی خواہش بھی پیدا کرتی ہیں۔ ان کی کہانیاں بچوں کو خواب دیکھنا سکھاتی ہیں اور ان خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کا حوصلہ بھی عطا کرتی ہیں۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ "چہار باغ" کے اس حسین گلشن میں ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب ایک ایسے مالی ہیں جنہوں نے مختلف خوشبوؤں والے پھولوں کو بڑی محبت اور سلیقے سے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ کہیں شاہد جمیل صاحب کی نظموں کی مہک ہے، کہیں مناظر حسن شاہین صاحب کے شعری گل دستے کھلے ہوئے ہیں اور کہیں سلطان احمد ساحل صاحب کی کہانیوں کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب صرف بچوں کے لیے ایک مطالعہ نہیں بلکہ ایک تربیتی سفر ہے۔ یہ ان کے دلوں میں اردو ادب کی محبت پیدا کرتی ہے، ان کے ذہنوں کو روشنی عطا کرتی ہے اور ان کے کردار کو سنوارتی ہے۔ "چہار باغ" کا ہر صفحہ بچوں کو یہ احساس دلاتا ہے کہ کتابیں صرف پڑھنے کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ زندگی کو خوبصورت بنانے کے لیے بھی ہوتی ہیں۔ آج جب مادیت کے شور میں مطالعے کی روایت کمزور پڑتی جا رہی ہے، ایسے وقت میں "چہار باغ" جیسی کتابیں اردو ادب کے لیے امید کی کرن ہیں۔ یہ کتاب نئی نسل کو اپنی زبان، اپنی تہذیب اور اپنے ادب سے جوڑنے کا ایک کامیاب ذریعہ ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب، شاہد جمیل صاحب، مناظر حسن شاہین صاحب اور سلطان احمد ساحل صاحب کی ادبی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے قلم کی روشنی ہمیشہ قائم رکھے۔ ان حضرات کی تحریریں اسی طرح بچوں کے دلوں میں علم، ادب، اخلاق اور محبت کے چراغ روشن کرتی رہیں اور اردو ادب کا یہ گلشن ہمیشہ مہکتا اور پھلتا پھولتا رہے۔

چہار باغ" واقعی ایک ایسا باغ ہے جس میں ہر پھول ایک سبق، ہر خوشبو ایک پیغام اور ہر تحریر بچوں کے روشن مستقبل کی نوید بن کر کھلتی ہے۔ ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب نے جب میرے بچوں کو یہ کتاب دی تو گویا انہوں نے انہیں علم کا چراغ تھما دیا۔ آج کے اس دور میں جہاں بچے موبائل فون، انٹرنیٹ اور مصنوعی مصروفیات میں گھرے ہوئے ہیں، وہاں ایسی کتاب کا تحفہ دینا دراصل ایک نئی نسل کو ادب، تہذیب اور اخلاق سے جوڑنے کی ایک عظیم کوشش ہے۔ مجھے اس بات پر بے حد خوشی اور فخر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے میری تحریروں ان کی نظر سے گزرا تو انہوں نے نہ صرف اسے پسند فرمایا بلکہ اپنی قیمتی رائے اور دعاؤں سے بھی نوازا۔ ایک قلم کار کے لیے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اردو ادب کی ایک معتبر شخصیت اس کی تحریر کو سراہے، اس کے اسلوب کی تعریف کرے اور اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہی وصف انہیں دوسروں سے ممتاز بناتا ہے۔ وہ صرف خود لکھنے والے ادیب نہیں بلکہ دوسروں کو لکھنے کی ترغیب دینے والے مربی بھی ہیں۔ وہ نئی نسل کے لکھنے والوں کو حوصلہ دیتے ہیں، ان کی تحریروں پر تبصرہ کرتے ہیں اور انہیں آگے بڑھنے کی تحریک دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے چاہنے والوں کا حلقہ وسیع ہے اور ہر شخص ان کے اخلاق اور خلوص کا معترف ہے۔

میری ہر تحریر پر ان کا تبصرہ میرے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہوتا ہے۔ جب وہ کسی مضمون پر اپنی رائے دیتے ہیں تو اس میں محض تعریف نہیں ہوتی بلکہ اصلاح، رہنمائی اور محبت بھی شامل ہوتی ہے۔ ان کے الفاظ میں ایک استاد کی شفقت، ایک بزرگ کی دعا اور ایک ادیب کی بصیرت جھلکتی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب انہوں نے میرے مضمون کے بارے میں اظہارِ خیال کیا تو ان کے الفاظ میرے دل میں نقش ہو گئے۔ انہوں نے میری تحریر میں اردو ادب سے محبت، بچوں کی تربیت کے جذبے اور سماجی شعور کی جھلک دیکھی۔ یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ ان کی اس حوصلہ افزائی نے میرے قلم کو نئی قوت عطا کی اور مجھے مزید بہتر لکھنے کی ترغیب دی۔

حقیقت یہ ہے کہ ادب کی دنیا میں ایسے لوگوں کی بڑی ضرورت ہے جو صرف خود روشن نہ ہوں بلکہ دوسروں کو بھی روشنی دیں۔ ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب انہی چراغوں میں سے ایک ہیں جو خود بھی جلتے ہیں اور دوسروں کے راستے بھی روشن کرتے ہیں۔ ایک ادیب کے لیے اس سے بڑی خوشی کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی تحریر کو ایک معتبر ادبی شخصیت پسند کرے اور اس کے اندازِ بیان کو سراہے۔ ڈاکٹر صاحب نے محبت بھرے انداز میں فرمایا کہ سید آصف امام کاکوی کی تحریروں میں بچوں کی تربیت، اردو ادب سے محبت اور معاشرتی شعور کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ الفاظ میرے لیے کسی سند سے کم نہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ قلم کار کی اصل دولت دولتِ زر نہیں بلکہ اہلِ علم کی دعا، محبت اور اعتماد ہوتا ہے۔ جب ایک صاحب علم شخصیت آپ کی تحریر کو پسند کرے تو قلم کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔ اس دن مجھے محسوس ہوا کہ اردو ادب صرف کتابوں کا نام نہیں بلکہ دلوں کو جوڑنے والی ایک خوبصورت زنجیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب جیسے لوگ اردو ادب کا حقیقی سرمایہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت میں انکساری، علم دوستی اور محبت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ وہ جب گفتگو کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے جیسے علم اور تجربے کا ایک دریا خاموشی سے بہہ رہا ہو۔ ان کی باتوں میں تکلف نہیں بلکہ خلوص کی مٹھاس ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بھی ان سے ملتا ہے ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ ان کی مرتب کردہ کتاب "چہار باغ" اردو ادب کے گلشن میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ بچوں کو محض معلومات فراہم نہیں کرتی بلکہ ان کے دل و دماغ کی تربیت بھی کرتی ہے۔ آج کے دور میں ایسی کتابوں کی شدید ضرورت ہے جو بچوں کے اندر مطالعے کا شوق پیدا کریں اور انہیں اپنی زبان اور تہذیب سے جوڑیں۔ میرے بچوں نے جب "چہار باغ" کے صفحات پلٹنے شروع کیے تو ان کی آنکھوں میں ایک الگ ہی چمک دکھائی دی۔ مجھے محسوس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ تحفہ صرف ایک دن یا ایک مہینے کا نہیں بلکہ آنے والے برسوں تک ان کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بنے گا۔ اردو ادب کی تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے اپنی زبان اور ادب کو زندہ رکھا، انہوں نے اپنی تہذیب اور شناخت کو بھی محفوظ رکھا۔ ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب انہی لوگوں میں شامل ہیں جو خاموشی سے اردو زبان کی خدمت کر رہے ہیں اور نئی نسل کو اس کی اہمیت سے آگاہ کر رہے ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ مجھے ایسے ادیب کی قربت اور محبت نصیب ہوئی۔ ان کی آمد میرے گھر کے لیے باعثِ برکت تھی۔ ان کی گفتگو، ان کی شفقت اور ان کا دیا ہوا تحفہ میرے لیے زندگی بھر کا سرمایہ ہے۔ آج جب میں "چہار باغ" کو اپنے بچوں کے ہاتھوں میں دیکھتا ہوں تو دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب کو صحت، عزت، خوشی اور درازیٔ عمر عطا فرمائے۔ ان کا قلم ہمیشہ رواں دواں رہے، ان کی فکر نئی نسلوں کو روشنی دیتی رہے اور تحریروں پر تبصرہ کرتے ہیں اور انہیں آگے بڑھنے کی تحریک دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے چاہنے والوں کا حلقہ وسیع ہے اور ہر شخص ان کے اخلاق اور خلوص کا معترف ہے۔

میری ہر تحریر پر ان کا تبصرہ میرے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہوتا ہے۔ جب وہ کسی مضمون پر اپنی رائے دیتے ہیں تو اس میں محض تعریف نہیں ہوتی بلکہ اصلاح، رہنمائی اور محبت بھی شامل ہوتی ہے۔ ان کے الفاظ میں ایک استاد کی شفقت، ایک بزرگ کی دعا اور ایک ادیب کی بصیرت جھلکتی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب انہوں نے میرے مضمون کے بارے میں اظہارِ خیال کیا تو ان کے الفاظ میرے دل میں نقش ہو گئے۔ انہوں نے میری تحریر میں اردو ادب سے محبت، بچوں کی تربیت کے جذبے اور سماجی شعور کی جھلک دیکھی۔ یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ ان کی اس حوصلہ افزائی نے میرے قلم کو نئی قوت عطا کی اور مجھے مزید بہتر لکھنے کی ترغیب دی۔

حقیقت یہ ہے کہ ادب کی دنیا میں ایسے لوگوں کی بڑی ضرورت ہے جو صرف خود روشن نہ ہوں بلکہ دوسروں کو بھی روشنی دیں۔ ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب انہی چراغوں میں سے ایک ہیں جو خود بھی جلتے ہیں اور دوسروں کے راستے بھی روشن کرتے ہیں۔ ایک ادیب کے لیے اس سے بڑی خوشی کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی تحریر کو ایک معتبر ادبی شخصیت پسند کرے اور اس کے اندازِ بیان کو سراہے۔ ڈاکٹر اردو ادب ان کی خدمات سے ہمیشہ فیض یاب ہوتا رہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو ادب صرف کتابوں سے زندہ نہیں رہتا بلکہ ایسے مخلص اہلِ قلم سے زندہ رہتا ہے جو اپنی زندگی علم و ادب کے فروغ کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب انہی درخشاں ستاروں میں سے ایک ہیں۔ میں دل کی گہرائیوں سے ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے بچوں کو "چہار باغ" جیسا قیمتی تحفہ دیا، میری تحریروں کی حوصلہ افزائی کی اور مجھے یہ احساس دلایا کہ قلم کی طاقت آج بھی زندہ ہے اور اردو ادب کا مستقبل اب بھی روشن ہے۔ اللہ کرے کہ "چہار باغ" کے پھول ہمیشہ مہکتے رہیں، اس کی خوشبو نسل در نسل پھیلتی رہے اور ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب کا نام اردو ادب کی تاریخ میں ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ یاد کیا جاتا رہے۔ ڈاکٹر قیصر زاہدی صاحب کا دیا ہوا "چہار باغ" میرے بچوں کے لیے ایک کتاب نہیں بلکہ علم، ادب، محبت اور تہذیب کا ایسا تحفہ ہے جو زندگی بھر ان کے دلوں میں روشن رہے گا۔

سید آصف امام کاکوی

رکنِ پارلیمان جناب ابھیشیک پرتاپ شاہ سے اہم ملاقات

نوشاد احمد قادری

مسجد، مدرسہ، عید گاہ اور قبرستان کے مسائل کے حل کے لیے مؤثر پیش رفت

آج بتاریخ ۱۰ جون بروز بدھ، چنزوٹا کی معروف دینی و سماجی درسگاہوں اور عوامی فلاحی مراکز سے متعلق اہم امور کے سلسلے میں ایک مؤثر اور نتیجہ خیز ملاقات منعقد ہوئی۔ اس موقع پر رضا جامع مسجد چنزوٹا کے صدرِ اعلیٰ جناب الحاج جمشید علی صاحب کی قیادت میں مسجد و مدرسہ کے ذمہ داران اور اراکین نے کپلوستو انتخابی حلقہ نمبر ۳ کے معزز رکنِ پارلیمان جناب ابھیشیک پرتاپ شاہ صاحب سے ملاقات کی۔

ملاقات کا بنیادی مقصد رضا جامع مسجد، جامعہ اہلِ سنت مصباح العلوم مسکینیہ چنزوٹا، عید گاہ اور قبرستان سے متعلق رکے ہوئے ترقیاتی کاموں کو آگے بڑھانا، درپیش مسائل کے حل کے لیے عملی اقدامات کی درخواست کرنا اور قوم و ملت کو درپیش مختلف مشکلات کے ازالے کے لیے مؤثر تعاون حاصل کرنا تھا۔

اس موقع پر جناب الحاج جمشید علی صاحب نے نہایت سنجیدگی، بصیرت اور حسنِ ترتیب کے ساتھ ایک ایک مسئلے کو رکنِ پارلیمان کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے مسجد، مدرسہ، عید گاہ اور قبرستان کی ضروریات، عوامی مشکلات اور ترقیاتی منصوبوں کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فوری توجہ اور تعاون کی درخواست کی۔

رکنِ پارلیمان جناب ابھیشیک پرتاپ شاہ صاحب نے تمام مسائل کو غور و توجہ سے سماعت فرمایا اور انتہائی مثبت اور تسلی بخش انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے یقین دہانی کرائی کہ متعلقہ اداروں اور مقامات کو درکار سہولیات کی فراہمی، زیرِ التوا منصوبوں کی تکمیل اور عوامی مشکلات کے حل کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ نیز انہوں نے مسجد، مدرسہ، عید گاہ اور قبرستان کی ترقی و بہتری کے لیے اپنا بھرپور تعاون جاری رکھنے کا وعدہ بھی کیا۔

یہ ملاقات علاقے کی دینی، تعلیمی اور سماجی ترقی کے لیے ایک خوش آئند پیش رفت سمجھی جا رہی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ آنے والے دنوں میں ان کوششوں کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے، ترقیاتی کاموں میں تیزی آئے گی اور قوم و ملت کو مطلوبہ سہولیات میسر ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ تمام ذمہ داران کی ان مخلصانہ کاوشوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور علاقے میں دینی، تعلیمی اور رفاہی ترقی کے دروازے مزید کشادہ فرمائے۔ آمین۔

از قلم نوشاد احمد قادری
میڈیا انچارج
علماء فاؤنڈیشن نیپال، کپلوستو

چراغ سے چراغ تک

بختیار برکاتی مہرولی نئی انڈیا

(قسط اول)

حقیقت کی تلاش، حکمت کا تسلسل اور عصرِ حاضر کی ذمہ داری

انسانی تاریخ دراصل روشنی کی تاریخ ہے۔

حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک انسان حق، حقیقت، خیر، عدل، حکمت اور معرفت کی تلاش میں سرگرداں رہا ہے۔ ہر دور میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے زمانے کے سوالات کا سامنا کیا، اپنی بساط کے مطابق حق کو سمجھنے کی کوشش کی اور پھر حاصل شدہ روشنی کو آگے منتقل کر دیا۔

اگر غور کیا جائے تو انسانیت کا اصل سرمایہ سلطنتیں، عمارتیں اور خزانے نہیں، بلکہ وہ افکار، علوم، تجربات اور حکمتیں ہیں جو نسل در نسل منتقل ہوتی رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی فرد یا نسل تنہا نہیں چلتی۔ ہم سب اپنے سے پہلے آنے والے بے شمار مسافروں کے علم، تجربے اور محنت کے وارث ہیں۔

اسی لیے صاحبِ بصیرت انسان اپنی کامیابی کو صرف اپنی محنت کا نتیجہ نہیں سمجھتا بلکہ اسے رب کی توفیق، اہلِ خیر کی دعاؤں اور سابقہ مسافروں کی کاوشوں کا ثمر جانتا ہے۔

علم ملکیت نہیں، امانت ہے

عصرِ حاضر کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ علم کو امانت کے بجائے ملکیت سمجھ لیا گیا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقت صرف ان کے پاس ہے، بعض ہر نئی بات کو رد کر دیتے ہیں اور بعض ہر نئی بات کو بلا تحقیق قبول کر لیتے ہیں۔

حالانکہ حکمت کا راستہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے۔

کوئی بات صرف اس لیے درست نہیں ہو جاتی کہ وہ قدیم ہے، اور نہ صرف اس لیے غلط ہو جاتی ہے کہ وہ نئی ہے۔ اسی طرح کوئی بات صرف اس لیے رد یا قبول نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی مخصوص گروہ، قوم یا مکتبِ فکر سے آئی ہے۔ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر بات کو دلیل، حقیقت، سیاق اور نتائج کی روشنی میں پرکھا جائے۔

فطرت، وحی اور عقل

فطرت دراصل حقیقت کو حقیقت کے طور پر پہچاننے کی صلاحیت کا نام ہے۔ شہد کو شہد اور زہر کو زہر کہنا فطرت ہے، حق کو حق اور باطل کو باطل جاننا فطرت ہے۔

انسانی تاریخ میں ایک گروہ نے عقل کو وحی کے مقابل کھڑا کر دیا اور دوسرے نے عقل کو بے کار سمجھ لیا، جبکہ صحیح راستہ یہ ہے کہ وحی رہنمائی فراہم کرتی ہے، عقل فہم پیدا کرتی ہے، فطرت گواہی دیتی ہے اور تجربہ حکمتوں کو واضح کرتا ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ معاون ہیں۔

حقیقت کی تلاش: ایک مسلسل سفر

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ حقیقت کی طرف سفر کبھی رکا نہیں۔ انبیاء، علماء، محدثین، فقہاء، مفکرین اور مصلحین ہر دور میں آتے رہے۔ ہر ایک نے اپنے زمانے کے مسائل کو سمجھا اور فہم و حکمت کی زنجیر میں ایک نئی کڑی کا اضافہ کیا۔

اسی لیے تاریخ کو منقطع واقعات کی فہرست کے بجائے ایک مسلسل قافلے کے طور پر دیکھنا چاہیے، جہاں ہر نسل اپنے سے پہلے والوں سے سیکھتی ہے اور آنے والوں کے لیے کچھ چھوڑ جاتی ہے۔

عصرِ حاضر کی ضرورت

آج دنیا میں معلومات کی کمی نہیں، ربط کی کمی ہے۔ علوم بکھرے ہوئے ہیں، جبکہ مذہب، فلسفہ، سائنس، اخلاقیات اور معاشرت الگ الگ خانوں میں تقسیم دکھائی دیتے ہیں۔

شاید آج کی سب سے بڑی ضرورت نئی حقیقتیں ایجاد کرنا نہیں بلکہ بکھری ہوئی حقیقتوں، علوم اور تجربات کو ایک مربوط نظام میں جوڑنا ہے۔

ہر دور کی زبان بدلتی ہے، مگر حقیقت نہیں بدلتی۔ اس لیے قدیم حکمت کو جدید اسلوب میں پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ نئی نسل اس روشنی سے فائدہ اٹھا سکے۔

چراغ سے چراغ تک

علم کی سب سے خوبصورت مثال چراغ ہے۔

ایک چراغ دوسرے چراغ کو روشن کرتا ہے مگر اس کی روشنی کم نہیں ہوتی۔ پھر دوسرا تیسرے کو روشن کرتا ہے اور یوں روشنی کا سفر جاری رہتا ہے۔

انسانی تہذیب بھی اسی اصول پر قائم ہے۔

ہم نہ ابتدا ہیں اور نہ انتہا۔ ہم صرف ایک طویل سلسلۂ نور کی ایک کڑی ہیں۔ ہماری ذمہ داری یہ نہیں کہ ہم پوری دنیا کو بدل دیں، بلکہ یہ ہے کہ جو روشنی ہمیں ملی ہے اسے دیانت، اخلاص، حکمت اور محبت کے ساتھ آگے منتقل کر دیں۔

پھر جسے اللہ توفیق دے گا وہ اس روشنی سے اپنا چراغ روشن کر لے گا، اور یوں چراغ سے چراغ جلتا رہے گا۔

اسی تسلسل کا نام علم ہے، اسی کا نام حکمت ہے، اور یہی انسانیت کی حقیقی میراث ہے۔

بختیار برکاتی
مہرولی نئی انڈیا

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

گلشن اشرفیہ کا ایک پھول مرجھا گیا!!

آہ! علامہ مبارک حسین مصباحی

تحریر۔۔۔۔۔۔۔۔ جاوید اختر بھارتی

یوں تو قانون قدرت ہے کہ جو دنیا میں آیا اسے ایک دن جانا ہے اور اسی قانون قدرت کے مطابق گذشتہ دنوں صحافت وخطابت کی دنیا کا ایک روشن چراغ بجھ گیا، گلشن اشرفیہ کا ایک مہکتا ہوا پھول مرجھا گیا یعنی فخر صحافت وخطابت الجامعۃ الاشرفیہ کے باوقار استاد اور ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر علامہ مبارک حسین مصباحی کا انتقال ہوگیا جن کے انتقال سے صحافت وخطابت اور درس و تدریس کی فضا سوگوار ہو گئی اور چہار جانب تعزیتی پیغام و پروگرام کا سلسلہ شروع ہو گیا،،

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نصف صدی سے زائد عرصہ تک علم وادب، تحقیق وتصنیف، وعظ وارشاد اور تربیتِ نسلِ نو کے میدان میں نہایت وقار اور استقامت کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے اردو زبان و ادب کی آبیاری، دینی فکر کی ترویج اور ہزاروں طلبہ کی علمی و فکری تربیت کے ذریعے جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں، وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ کی تحریروں میں علم کی گہرائی، فکر کی پختگی اور زبان کا حسن نمایاں تھا، جبکہ آپ کی خطابت اخلاص، دردِ امت اور دعوتِ حق کا آئینہ دار تھی۔

اشرفیہ کا گلشن آج اپنے ایک مہکتے ہوئے پھول سے محروم ہو گیا۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی جدائی دلوں کو اداس کرگئی بچھڑنے والے بچھڑ جاتے ہیں، مگر اپنے علم، اخلاص اور حسنِ کردار کی خوشبو چھوڑ جاتے ہیں۔

علامہ مبارک حسین مصباحی کی علمی، تحقیقی، تصنیفی اور دینی خدمات اہلِ سنت کے لیے ایک گراں قدر سرمایہ تھیں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی علمِ دین کی اشاعت، مسلکِ اہلِ سنت کے فروغ اور امت کی فکری رہنمائی میں صرف فرمائی۔ ان کا وصال علمی و ادبی حلقوں کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ناقابلِ تلافی خسارہ ہے۔

صحافت وخطابت اور درس و تدریس، فلسفہ و منطق میں جسے مہارت حاصل تھی وہ شخصیت علامہ مبارک حسین مصباحی کی تھی وہ کبھی معتبر صحافت کے میدان میں بلند ترین مینار کی شکل میں نظر آتے تھے تو کبھی فصاحت و بلاغت اور دلائل و ثبوت کے اسٹیج پر روشن چراغ کی طرح جگمگاتے تھے افسوس آج ساری رونقیں ختم ہو گئیں آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

ایسا کم دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ہی شخص بیک وقت تحریر و تقریر دونوں میں باکمال ہو۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جسے اچھا لکھنا آتا ہے، بولنے میں اس پایے کا نہیں ہوتا۔ اور جو اچھا بولنے پر قادر ہو، اسے اس معیار کا لکھنا نہیں آتا۔ لیکن مولانا مبارک حسین مصباحی کے اندر یہ ساری خوبیاں اور خصوصیات بیک وقت دیکھنے کو ملی یقیناً اہلسنت والجماعت ایک مایہ ناز شخصیت سے محروم ہوگئی۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی وفات صرف ایک فرد کا انتقال نہیں بلکہ علم و حکمت، دعوت و اصلاح، اخلاص وللّٰہیت اور فکر و بصیرت کے ایک روشن باب کا اختتام ہے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی دینِ متین کی خدمت، نسلِ نو کی تعلیم وتربیت اور اہلِ سنت کے مسلک ومشرب کی اشاعت میں صرف فرمائی۔ آپ کی علمی، دینی اور اصلاحی خدمات ہمیشہ یادرکھی جائیں گی۔

علامہ مبارک حسین مصباحی صحافت کی دنیا میں معتبر و بیباک تھے، خطابت کی دنیا میں عظیم الشان تھے، دلائل پیش کرنے میں لاجواب تھے، درس و تدریس کی دنیا میں مایہ ناز تھے، تصنیف کی دنیا میں زبردست قلمکار تھے، منطق وفلسفہ میں بھی ممتاز تھے، انتہائی خوش مزاج تھے، مطالعہ تو حضرت کے جسم و زندگی کا ایک حصہ تھا، تحریریں پڑھنا اور تحریر کو موضوع دینا یعنی مضامین کی سرخی لگانے میں بڑے ماہر تھے ایسی ہی شخصیتوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

۵ جون ۲۰۲۶ کو بعد نمازِ جمعہ الجامعۃ الاشرفیہ کے وسیع میدان میں مرحوم کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور اشرفیہ قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

٦ جون ۲۰۲٦ کو عزیز المساجد میں ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر علامہ مبارک حسین مصباحی کی رحلت پر ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا جس میں قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کرکے مولانا مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا بعدہ ایک تعزیتی اجلاس کا انعقاد ہوا جس میں بڑی تعداد میں علماء کرام، حفاظ و قراء عظام، طلباء، ائمہ مساجد، خطباء، سیاسی اور سماجی لیڈران اور صحافیوں کی بڑی جماعت شریک ہوئی اور مولانا مرحوم کے تئیں اپنی عقیدت واحترام ومحبت کا اظہار کیا ساتھ ہی ان کی حیات و خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

علامہ مبارک حسین مصباحی کے انتقال پر مسلسل تعزیتی پیغامات ملک و بیرون ملک سے الجامعۃ الاشرفیہ میں آرہے ہیں،، واضح رہے کہ علامہ مبارک علیہ الرحمہ ایک بیباک اور تجربہ کار صحافی بھی تھے، خوش فکر خطیب بھی تھے، دین کے مبلغ بھی تھے یقیناً ہمارے درمیان سے ایک ایسا عالم دین دنیا سے رخصت ہو گیا جس نے اپنی پوری زندگی علم کی خدمت میں صرف کردی، طلباء کی زندگی کو سجانے اور سنوارنے میں صرف کردی، تحریر و تقریر کے ذریعے حق بات ڈنکے کی چوٹ پر کہنے میں صرف کردی، ماہنامہ اشرفیہ کو معیاری بنانے اور اسے بلندیوں پر پہنچانے میں صرف کردی، ان کی تحریروں میں علمی و قار فکری پختگی اور ادبی شائستگی نمایاں تھی وہ نصف صدی تک علم و ادب، تحقیق و تفتیش وتصنیف، وعظ و نصیحت اور تعلیم وتربیت کے میدان میں استقامت کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ علم و ادب و قلم کی دنیا کا ایک روشن اور مؤثر چراغ بجھ گیا جس کی روشنی مدتوں اہل علم و ادب کے دلوں میں اور ذہنوں میں باقی رہے گی تحقیق و تصنیف کے میدان میں مولانا مرحوم کی خدمات قابل قدر ہیں اور ہمیشہ ان کی خدمات یاد رکھی جائیں گی،، موت اس کی ہے جس کا زمانہ کرے افسوس،، یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ علامہ مبارک حسین مصباحی کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے ان کی قبر پر انوار ورحمت کی بارش فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

++++++++++++++++++++
++++++++++

جاوید اختر بھارتی (سابق سکریٹری یوپی بنکر یونین) محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یوپی

تعزیت نامہ بر وصال پر ملال: فخر صحافت حضرت علامہ مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی

سابق مدیر اعلیٰ: ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ (یوپی)

منجانب: نورالعلماء پیر طریقت حضرت علامہ الحاج سید نوراللہ شاہ بخاری (مہتمم و شیخ الحدیث: دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ)

سجادہ نشین: خانقاہ عالیہ بخاریہ:

سہلاؤ شریف، باڑمیر (راجستھان)

نہایت رنج والم اور قلبی صدمے کے ساتھ یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ جماعتِ اہلِ سنت کی ممتاز علمی، فکری، صحافتی اور تدریسی شخصیت، فخر صحافت، رئیس التحریر، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، خلیفۂ تاج الشریعہ، دامادِ عزیز ملت، حضرت علامہ مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی رحمۃ اللہ علیہ داعیِ اجل کو لبیک کہہ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

بلاشبہ حضرت موصوف کی وفات صرف ایک فرد کا انتقال نہیں بلکہ علم و قلم، فکر و نظر، صحافت و دعوت، تدریس و تربیت اور اہلِ سنت کی علمی روایت کا ایک تابندہ باب بند ہونے کے مترادف ہے۔ آپ ان خوش نصیب نفوس میں سے تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی دینِ متین کی خدمت، مسلکِ حق اہلِ سنت وجماعت کے فروغ، فکرِ اعلیٰ حضرت کے ابلاغ اور نسلِ نو کی علمی و فکری رہنمائی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ ایک باوقار استاذ، شفیق مربی، صاحبِ طرز ادیب، بلند پایہ صحافی، سنجیدہ مفکر اور مؤثر خطیب تھے، جن کی ذات گوناگوں اوصاف و کمالات کا حسین مرقع تھی۔

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ نے تدریس کے میدان میں ہزاروں تشنگانِ علم کو سیراب کیا، جبکہ صحافت اور قلمی خدمات کے ذریعہ ملک وبیرونِ ملک اہلِ علم و دانش کی ایک وسیع جماعت کو متاثر کیا۔ ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے ذریعے آپ نے فکرِ رضا ومصباحیت کی اشاعت، علمی شعور کی بیداری اور ملی ودینی مسائل کی صحیح ترجمانی کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ آپ کی تحریریں علم و تحقیق، اعتدال وبصیرت اور عشقِ رسول ﷺ کی خوشبو سے معطر ہوا کرتی تھیں، جو ہمیشہ اہلِ علم کے لیے سرمایۂ افتخار اور مشعلِ راہ بنی رہیں گی۔

آپ کا وصال یقینا علمی و دینی حلقوں، جامعہ اشرفیہ، تنظیم ابنائے اشرفیہ، اہلِ سنت وجماعت اور آپ کے ہزاروں شاگردوں، محبین و متعلقین کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ناقابلِ تلافی خسارہ ہے۔ اس حادثۂ جانکاہ سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔

اس غم انگیز موقع پر فقیر بخاری اور جملہ ارکان و مدرسین دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ سہلاؤ شریف، باڑمیر، راجستھان، حضرت عزیز ملت، حضرت نعیم ملت، اہلِ خانہ، متعلقین، تلامذہ، محبین، جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ و ذمہ داران اور جملہ سوگواران کی خدمت میں دلی تعزیت و ہمدردی پیش کرتے ہیں اور اس عظیم صدمے میں برابر کے شریک ہیں۔

ہم بارگاہِ رب العزت میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ کریم ﷺ کے صدقے مولانا مرحوم کی بے حساب مغفرت فرمائے، ان کی دینی، علمی، تدریسی، صحافتی اور ملی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان، اہلِ خانہ، تلامذہ، متعلقین اور عقیدت مندوں کو صبر جمیل، اجرِ عظیم اور حوصلۂ جمیل عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

تعزیت کنندگان: سید نوراللہ شاہ بخاری (مہتمم و شیخ الحدیث)

محمد شمیم احمد نوری مصباحی (ناظم تعلیمات)

حبیب اللہ قادری انواری (صدر المدرسین)

وجملہ ارکان واساتذہ

دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ سہلاؤ شریف، باڑمیر، (راجستھان)

افسوس صد افسوس کہ ----- حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کے چمن کا مہکتا ہوا وہ پھول رات کی تاریکی میں آخر مرجھا گیا جو اپنی بھینی بھینی خوشبو سے ایک عالم کو اب تک مہکاتا رہا،

اناللہ واناالیہ راجعون

وہ خوشبو کوئی اور نہ تھی بلکہ وہ خوشبو باغ فردوس الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے مؤقر استاذ کی شکل میں حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی تھی جس کی خوشبو سے ان کے مداح ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئے

حضرت موصوف کے چاہنے والے اس بھینی خوشبو کو ان کی تحریروں میں صرف محسوس ہی نہیں کریں گے بلکہ ان کی خوشبو دار تحریروں سے اپنے مشام جاں کو ہمیشہ معطر کرتے رہیں گے،

وہ خوشبو کوئی اور نہ تھی بلکہ وہ خوشبو ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی شکل میں تھی ان کی تحریریں فکر اعلیٰ حضرت کی روشنی میں ایسی مؤثر ہوا کرتی تھیں کہ جس کے سبب ہر پڑھے لکھے شخص کے مطالعے کے میز پر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور لوگوں کو نظر آتا رہا،

وہ خوشبو کوئی اور نہ تھی بلکہ وہ خوشبو محافظ اشرفیہ حضور عزیز ملت کے داماد کی شکل میں حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی تھی جو اپنے علم و عمل سے پیغام اعلیٰ حضرت و پیغام حافظ ملت کو گھر گھر پہونچانے میں شب و روز ایک کیے ہوئے تھے،

وہ خوشبو کوئی اور نہ تھی بلکہ وہ خوشبو تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارکپور کی جان اور روح بن کر جملہ مصباحی برادران کو ایک لڑی میں پرو کر انہیں منظم کر کے حافظ ملت علیہ الرحمہ و الرضوان کے مشن اور اساتذۂ اشرفیہ مبارکپور کے کردار و عمل کو عالم اسلام میں روشناس کرانے میں اپنی حیات کا ہر لمحہ وقف کر رکھا تھا،

مبارک ہو، اے جانے والے مبارک حسین،
آپ کی عظمتوں کو سلام،

ایسا لگتا ہے کہ اسرار الحق مجاز ردولوی نے غالباً یہ شعر ایسی ہی علمی شخصیت یعنی حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے لیے ہی کہا تھا کہ

ہمارے بعد رہے گا اندھیرا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے

خاکسار حضرت علامہ مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال پر نہایت ہی رنج و غم کے ساتھ بطور خاص حضور عزیز ملت اور حضرت نعیم ملت عزیزی صاحبان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہوئے حضرت موصوف علیہ الرحمہ کے اہل خانہ کے ساتھ دکھ کی اس کھڑی اور رنج و غم کے اس عالم میں برابر شریک ہے اور دعا گو بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے صدقے حضرت مولانا محمد مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کی بے حساب وکتاب مغفرت فرمائے ان کی تمام تر دینی خدمات کو قبول و مقبول فرما کر انہیں ہر لمحہ اور ہر کروٹ جنت نصیب فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر و شکر کی توفیق بخشے،

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

شریکِ غم بچشم نم، قاری رئیس احمد خان

چرہ محمد پور فیض آباد

ضلع ایودھیا یوپی انڈیا

کلماتِ تعزیت بموقعِ وصالِ علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ

موت العالم موت العالم

ایک عالم ربانی کی موت، ایک جہان کی موت ہے۔

شبِ جمعہ ۱۲ بجے کے قریب سوشل میڈیا کے ذریعہ یہ المناک، غمناک، اندوہ ناک خبر موصول ہوئی کہ جماعت اہل سنت کی ممتاز علمی، فکری، صحافتی اور تدریسی شخصیت، فخر صحافت، رئیس التحریر، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، خلیفہ تاج الشریعہ، داماد عزیز ملت، حضرت علامہ مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی رحمتہ اللہ علیہ ۱۷/ ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ مطابق ۴/ جون ۲۰۲۶ء بروز جمعرات، شب جمعہ، گیارہ بج کر ۴۵ منٹ پہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

یہ دنیا دار فانی ہے، یہاں ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن اپنے خالق کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے، مگر بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کا رخصت ہو جانا صرف ایک فرد کا انتقال نہیں بلکہ ایک عہد کا اختتام محسوس ہوتا ہے۔

بلاشبہ آپ علیہ الرحمہ ان افراد میں شامل تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی دین اسلام، عقائد اہل سنت اور مسلک حق کی خدمت میں بسر کی۔ آپ نے درس و تدریس کے میدان میں ہندوستان کے عظیم دینی ادارے جامعہ اشرفیہ میں کئی دہائیوں تک علمی خدمات انجام دیں اور ہزاروں طلبہ کو علم و عمل کی دولت سے مالا مال کیا۔ آپ کی شخصیت صرف ایک مدرس کی نہیں تھی بلکہ ایک مربی، مفکر اور معتدل دینی رہنما کی حیثیت رکھتی تھی۔ مولانا نے قلم و قرطاس کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ بالخصوص ماہنامہ اشرفیہ کی تین دہائیوں سے زائد ادارت آپ کے علمی و قار فکری بصیرت اور صحافتی صلاحیتوں کا روشن ثبوت ہے۔ آپ نے ایسے دور میں بھی اعتدال سنجیدگی اور فکری توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا جب معاشرہ شدت پسندی اور فکری انتشار کا شکار تھا۔ آپ ہمیشہ مسلک اہل سنت کی ترجمانی حکمت، متانت اور شائستگی کے ساتھ فرماتے رہے۔ آپ کی تحریریں علم و تحقیق، اعتدال و بصیرت اور عشق رسول ﷺ کی خوشبو

سے معطر ہوا کرتی تھیں، جو ہمیشہ اہل علم کے لیے سرمایہ افتخار اور مشعل راہ بنی رہیں گی۔

آپ کا وصال یقیناً علمی و دینی حلقوں، جامعہ اشرفیہ، تنظیم ابنائے اشرفیہ، اہل سنت و جماعت اور آپ کے ہزاروں شاگردوں، محسین و متعلقین کے لیے ایک عظیم سانحہ اور نا قابل تلافی خسارہ ہے۔ اس حادثہ جانگاہ سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔

اس غم کی گھڑی میں فقیر راقم الحروف اور جملہ اراکینِ قاضی نیپال فاؤنڈیشن، دوحہ، قطر سے، حضرت عزیز ملت، حضرت نعیم ملت، جملہ اہل خانہ، متعلقین، محبین، تلامذہ، جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ وذمہ داران اور جملہ سوگواران کی خدمت میں دلی تعزیت و ہمدردی پیش کرتے ہیں، اور اس عظیم صدمے میں برابر کے شریک ہیں۔

ہم بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صاحب لولاک ﷺ کے صدقے علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب علیہ الرحمہ کی بے حساب مغفرت فرمائے، ان کی دینی، علمی، تدریسی، صحافتی اور ملی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان، اہل خانہ، تلامذہ، متعلقین اور عقیدت مندوں کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

شرکائے غم: قاضی نیپال، مفتی اعظم نیپال، حضرت علامہ مفتی محمد عثمان برکاتی مصباحی صاحب قبلہ، مولانا عبد القادر اویسی صاحب (سرپرست: قاضی نیپال فاؤنڈیشن)، مولانا سلامت حسین رضوی، صدر: قاضی نیپال فاؤنڈیشن، وجناب رستم علی صاحب، ناظم: قاضی نیپال فاؤنڈیشن، مولانا مجیب الرحمن صاحب، خازن: قاضی نیپال فاؤنڈیشن، حافظ ارشاد عالم رضوی رقیبی، وجملہ اراکین قاضی نیپال فاؤنڈیشن۔

راقم: محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی

نائب ایڈیٹر نیپال اردو ٹائمز

نائب صدر قاضی نیپال فاؤنڈیشن

قاضی نیپال فاؤنڈیشن
Qazi-e Nepal Foundation
کلمات تعزیت بموقع وصال
حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ
موت العالم موت العالم

مجبور مسکراہٹ

۔ماجد مجید کشمیر یونیورسٹی

۔ حسد ایک ایسی بیماری جب کسی کو لگے تو اندر ہی اندر کھوکھلا بنا کے رکھ دیتی ہے، اگر یہی حسد آپ کے ساتھ ہو تو سمجھو تم ان سے اچھے ہو جو تم سے حسد کرتے ہیں۔ ہمارا ایک بیس بائیس سال پرانا شاگرد مزاج کے اعتبار سے بیرون بین Extroverts کے زمرے میں ہمیشہ ٹھاٹ بھاٹھ کے انداز میں ہشاش بشاش زندگی گزار رہا ہے کبھی ہماری مشکل پیش آئی تو دل و جان لگا کر حق ادائی خوب نبھائی سمجھو ہمارے پاوں میں کانٹا چھبا تو پلکوں سے نکالنے میں دیر نہیں لگائی ہماری قابض زمین جائیداد چھڑا کے صحیح اور محفوظ جگہ منتقل کرڈالی اور خود دیکھ بھال کی ذمہ داری اپنے سر لے لی وہ اتنا خوش نصیب اور خوش حال کہ کئی خاندان اس کے ذریعے پل رہے ہیں کبھی اس کے ماتھے پر ناگواری کے آثار نہیں دکھتے ہیں اگر ہم بلاخوف وخطر پاوں پھیلا کے سوجاتے ہیں تو اسی کی بدولت، اللہ نے بھی شاید اسے اسی کام کے لئے چنا ہے ہم بھی اللہ کی رضا پر راضی اسے گھر کے ہر مسائل حل کرنے کا مختار بنائے ہوئے گہری نیند سو رہے ہیں۔ لیکن وہ ناداں موجودہ دور کے معاشرے میں پھیلے حسد اور نظر بد سے بے خبر اپنے ہی گن گاتا رہتا ہے چونکہ ہم پیشے سے استاد ٹھہرے ہیں اور شاگرد کا سراپا جائزہ لینے میں ماہر ہیں بارہا اسے سمجھایا کہ دکھاوے سے پرہیز کرو معاشرہ تہذیب یافتہ نہیں ہے سب ذات اور فرقے میں بٹے ہیں دوسروں کی رنگ رلیاں اور عیش و عشرت دیکھ کر حسد اور نظر بد کی آگ میں اندر ہی اندر جھلس رہے ہیں لہذا ان سے پرہیز کرنا بہتر ہے لیکن وہ ناداں موجودہ زمانے کا فرد نظر بد اور حسد کو دیومالائی قصہ سمجھ کر سنی ان سنی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ حسد اور نظر بد کے بھنور میں پھنس کر ہاتھ پاؤں ہلا کر کنارے پر آنے کی جدوجہد کرتا رہتا ہے اس میں بھی اس کے لئے کئی فائدے ہیں (۱) اس کے گناہوں کا کفارہ (۲) آئندہ پھونک پھونک کر قدم بڑھانے میں ماہر ہو گا (۳) سادگی پر حد سے زیادہ ترجیح (۴) اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہے گا (۵) آئندہ ایسے افراد سے باخبر رہے گا جو سامنے سے خوش آمدی اور پیٹھ پیچھے تھالی میں چھید پر بضد ہیں۔ قصہ مختصر اس دوران اگر کسی کا نقصان ہوا وہ اس کے اپنے اہل وعیال کے ساتھ میرا بھی ہوا اللہ سے دعا ہے کہ ہمارے شاگرد کو حسد اور نظر بد کے بھنور سے نجات دے کل ہی ہم خبر پرسی کے لئے جب اس کے گھر داخل ہوئے وہ ہشاش بشاش اپنے اہل وعیال کو اپنے باتوں سے محظوظ کر رہا تھا کنارے پر بھی پہنچ چکا ہے اس کی رفیقہ حیات اور اس کے اولادوں کے چہروں پر ایک مسکراہٹ دیکھی ۔ایک دلآویز مسکراہٹ۔ اور ایک مجبور مسکراہٹ

انڈیا محاذ: شکست خوردہ جماعتوں کی نئی صف بندی

ڈاکٹر سید تابش امام
کاکو، جہان آباد

سیاست میں شکست کسی جماعت یا اتحاد کا خاتمہ نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات یہی ناکامی نئی حکمت عملی، نئے سیاسی امکانات اور از سرِ نو صف بندی کی بنیاد بن جاتی ہے۔ ہندوستان میں حزبِ اختلاف کی موجودہ صورتحال کو بھی اسی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں جن علاقائی جماعتوں اور رہنماؤں کو اپنے اپنے صوبوں میں ناقابلِ شکست تصور کیا جاتا تھا، آج ان میں سے بیشتر دفاعی پوزیشن میں دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ اقتدار سے محروم ہو چکے ہیں، کچھ اپنی سیاسی حیثیت بچانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور بعض اپنی جماعت کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے کوشاں ہیں۔ ایسے حالات میں دہلی میں منعقدہ انڈیا محاذ کے حالیہ اجلاس کو محض ایک رسمی سرگرمی قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اسے حزبِ اختلاف کی بقا، نئی ترتیب اور آئندہ کے لائحۂ عمل کی تلاش کے طور پر بھی دیکھا جانا چاہیے۔

تقریباً دو برس قبل انڈیا محاذ کی تشکیل ایسے وقت میں ہوئی تھی جب ملک کی سیاست میں بی جے پی اپنی طاقت کے عروج پر دکھائی دے رہی تھی۔ ایک طرف نریندر مودی کی قیادت میں حکمراں جماعت مسلسل انتخابی کامیابیاں حاصل کر رہی تھی، دوسری طرف مخالف قوتیں منتشر، مایوس اور قیادت کے بحران کا شکار نظر آ رہی تھیں۔ ایسے ماحول میں مختلف نظریات، ترجیحات اور علاقائی مفادات رکھنے والی جماعتوں کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا خود ایک اہم پیش رفت تھی۔ اگرچہ ابتدا ہی سے اس اتحاد کی کامیابی پر سوالات اٹھائے جا رہے تھے، لیکن اس نے کم از کم یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستانی سیاست مکمل طور پر یک قطبی نہیں ہوئی ہے اور حکمراں جماعت کے مقابل ایک متبادل قوت اب بھی موجود ہے۔

۲۰۲۴ کے عام انتخابات سے قبل ملک کا منظرنامہ تقریباً یکطرفہ دکھائی دیتا تھا۔ رام مندر کے افتتاح کے بعد پیدا ہونے والی فضا، مسلسل کامیابیاں اور "اب کی بار چار سو پار" جیسے نعروں نے یہ تاثر مضبوط کر دیا تھا کہ بی جے پی کو روکنا آسان نہیں ہوگا۔ عام رائے بھی یہی تھی کہ حزبِ اختلاف کے لیے کوئی نمایاں کامیابی حاصل کرنا دشوار ہوگا۔ تاہم انتخابی نتائج نے ایک بار پھر واضح کر دیا کہ جمہوری نظام میں حتمی فیصلہ عوام ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ مخالف جماعتوں کی محدود مگر مؤثر ہم آہنگی نے حکمراں جماعت کو مکمل اکثریت سے محروم کر دیا اور یہ پیغام دیا کہ اگر اختلافات کو پسِ پشت ڈال دیا جائے تو مضبوط ترین قوت کو بھی چیلنج کیا جاسکتا ہے۔

تاہم یہ کامیابی زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی۔ انتخابات کے فوراً بعد وہی اختلافات دوبارہ سر اٹھانے لگے جنہوں نے ماضی میں بھی کئی اتحادوں کو کمزور کیا تھا۔ مختلف ریاستوں میں ہونے والے اسمبلی انتخابات نے واضح کر دیا کہ صرف انتخابی مفاہمت کافی نہیں ہوتی بلکہ مستقل ہم آہنگی، مشترکہ جدوجہد اور باہمی اعتماد بھی ضروری ہوتا ہے۔ جب اتحادی جماعتیں ایک دوسرے کو رفیقِ سفر کے بجائے حریف کے طور پر دیکھنے لگیں تو مشترکہ محاذ کی بنیادیں متزلزل ہونا فطری امر بن جاتا ہے۔ انڈیا محاذ کے ساتھ بھی کم و بیش یہی صورتحال پیش آئی۔

ہندوستانی سیاست میں علاقائی جماعتوں کا کردار ہمیشہ فیصلہ کن رہا ہے۔ مغربی بنگال، تمل ناڈو، اتر پردیش، بہار، دہلی اور مہاراشٹر جیسی ریاستوں میں ان جماعتوں نے نہ صرف طویل عرصے تک حکومتیں قائم کیں بلکہ قومی منظرنامے کی سمت متعین کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ لیکن گزشتہ چند برسوں کے دوران حالات تیزی سے تبدیل ہوئے ہیں۔ جن رہنماؤں کو کبھی اپنی ریاستوں کا سب سے طاقتور چہرہ سمجھا جاتا تھا، آج وہ مختلف مشکلات اور چیلنجوں سے دوچار ہیں۔ اس صورتحال نے ایک حقیقت کو مزید نمایاں کر دیا ہے کہ موجودہ حالات میں قومی سطح پر بی جے پی کا مقابلہ کسی ایک جماعت یا کسی ایک رہنما کے لیے آسان نہیں رہا۔

انڈیا محاذ کی کمزوریوں کا جائزہ لیا جائے تو سب سے نمایاں مسئلہ باہمی اعتماد کے فقدان کا نظر آتا ہے۔ اتحاد میں شامل بیشتر جماعتیں مختلف ریاستوں میں ایک دوسرے کی حریف بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قومی سطح پر اشتراک کے باوجود ریاستی سطح پر کشیدگی اور رقابت برقرار رہتی ہے۔ جبکہ مخالف قوتوں کی سب سے بڑی طاقت ان کی اجتماعی قوت ہو سکتی تھی، بدقسمتی سے یہی پہلو سب سے کمزور ثابت ہوا۔ ہر جماعت اپنے مفادات کے تحفظ میں زیادہ مصروف رہی، نتیجتاً مشترکہ مقصد پس منظر میں چلا گیا۔

دوسری جانب بی جے پی نے گزشتہ ایک دہائی کے دوران ایک مضبوط تنظیمی ڈھانچہ قائم کیا ہے۔ پارٹی کی قیادت، کارکنوں کا وسیع نیٹ ورک، واضح بیانیہ اور مسلسل انتخابی تیاری اسے دیگر جماعتوں سے ممتاز بناتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف چیلنجوں اور انتخابی دھچکوں کے باوجود وہ خود کو تیزی سے منظم کر لیتی ہے۔ جہاں مخالف جماعتوں میں قیادت اور حکمت عملی کے سوالات پر اختلافات سامنے آتے رہتے ہیں، وہیں بی جے پی نسبتاً زیادہ نظم و ضبط اور تنظیمی یکسوئی کے ساتھ آگے بڑھتی دکھائی دیتی ہے۔

تاہم جمہوری نظام میں طاقتور حکومت جتنی ضروری ہوتی ہے، اتنی ہی اہم ایک مؤثر اور ذمہ دار اپوزیشن بھی ہوتی ہے۔ حزبِ اختلاف کا کام صرف انتخابات جیتنا نہیں بلکہ حکومت کا احتساب کرنا، لوگوں کے مسائل کو اجاگر کرنا اور جمہوری اداروں کے تحفظ کے لیے آواز بلند کرنا بھی ہے۔ اگر اپوزیشن کمزور ہو جائے تو جمہوری توازن متاثر ہوتا ہے اور عوامی مسائل اقتدار کے ایوانوں تک مؤثر انداز میں نہیں پہنچ پاتے۔ اسی لیے انڈیا محاذ کی کامیابی یا ناکامی صرف چند جماعتوں کا معاملہ نہیں بلکہ ہندوستانی جمہوریت کے مستقبل سے بھی وابستہ ہے۔

ملک اس وقت کئی اہم اور پیچیدہ چیلنجوں سے دوچار ہے۔ بے روزگاری نوجوانوں کی سب سے بڑی تشویش بنی ہوئی ہے۔ مہنگائی نے متوسط اور غریب طبقے کی مشکلات میں مسلسل اضافہ کیا ہے۔ کسان معاشی مسائل سے نبرد آزما ہیں جبکہ تعلیم اور صحت کے شعبوں میں بھی متعدد سوالات موجود ہیں۔ یہ وہ موضوعات ہیں جن پر اپوزیشن ایک مضبوط عوامی تحریک برپا کر سکتی تھی، لیکن اکثر مواقع پر اس کی توجہ داخلی تنازعات، قیادت کی کشمکش اور سیاسی برتری کی بحثوں میں الجھی رہی۔ نتیجتاً زمینی مسائل وہ اہمیت حاصل نہ کر سکے جس کے وہ مستحق تھے۔

انڈیا محاذ کے مستقبل کے حوالے سے سب سے زیادہ توجہ کانگریس پر مرکوز ہے۔ ملک کی سب سے قدیم جماعت ہونے کے ناطے اس کی ذمہ داریاں بھی دوسروں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اگرچہ گزشتہ برسوں میں کانگریس کو متعدد انتخابی ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آج بھی وہ حزبِ اختلاف کی سب سے بڑی قوت ہے۔ اس کے پاس قومی سطح کا تنظیمی ڈھانچہ، تجربہ کار قیادت اور مختلف ریاستوں میں سیاسی موجودگی موجود ہے۔ اسی لیے اس محاذ کی سمت اور رفتار کا انحصار بڑی حد تک کانگریس کے رویے، سیاسی بصیرت اور حکمت عملی پر ہوگا۔

کانگریس کے سامنے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ اپنے اتحادیوں کا اعتماد برقرار رکھے۔ اگر وہ بڑی جماعت ہونے کے باوجود اشتراک، مفاہمت اور سیاسی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتی ہے تو محاذ کو نئی توانائی مل سکتی ہے۔ لیکن اگر قیادت کا سوال مسلسل تنازع کا باعث بنتا رہا تو مشکلات مزید بڑھ سکتی ہیں۔ اس لیے کانگریس کو وسیع تر مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے لچک اور قربانی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔

علاقائی جماعتوں کے لیے بھی یہ وقت سنجیدہ غور و فکر کا متقاضی ہے۔ گزشتہ چند انتخابات نے واضح کر دیا ہے کہ محض علاقائی اثر و رسوخ قومی سطح پر کامیابی کی ضمانت نہیں بن سکتا۔ بدلتے ہوئے حالات میں مشترکہ جدوجہد، وسیع تر تعاون اور باہمی اعتماد کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اسی باعث بیشتر علاقائی جماعتیں آج اشتراکِ عمل کی اہمیت کو ماضی کے مقابلے میں زیادہ شدت سے محسوس کر رہی ہیں۔

تاہم اتحاد صرف نشستوں کی تقسیم یا مشترکہ جلسوں سے مضبوط نہیں ہوتے۔ ان کے لیے ایک واضح نظریاتی سمت، مشترکہ بیانیہ اور عوامی ایجنڈا بھی ضروری ہوتا ہے۔ انڈیا محاذ کے سامنے سب سے بڑا سوال یہی ہے کہ وہ عوام کے سامنے ایسا کیا متبادل پیش کرے گا جو محض حکومت مخالف سیاست تک محدود نہ ہو بلکہ بہتر حکمرانی، معاشی استحکام، سماجی انصاف اور ترقی کا قابلِ عمل خاکہ بھی فراہم کرے۔ لوگ صرف تنقید نہیں سننا چاہتے بلکہ مسائل کا مؤثر اور قابلِ اعتماد حل بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔

آج کا نوجوان روزگار، معیاری تعلیم اور روشن مستقبل کا خواہاں ہے۔ کسان اپنی پیداوار کا مناسب معاوضہ چاہتے ہیں۔ متوسط طبقہ مہنگائی سے نجات کا طالب ہے اور کاروباری حلقے معاشی استحکام کے متمنی ہیں۔ اگر اپوزیشن ان طبقات کے حقیقی مسائل کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنائے تو وہ دوبارہ عوامی اعتماد حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کی توجہ صرف اقتدار کے حصول تک محدود رہی تو عوام اسے سنجیدگی سے نہیں لیں گے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندوستان کی نئی نسل ماضی کے سیاسی نعروں سے زیادہ متاثر نہیں ہوتی۔ وہ نتائج دیکھنا چاہتی ہے، وعدوں کی تکمیل چاہتی ہے اور عملی سیاست کو ترجیح دیتی ہے۔ اسی لیے مستقبل کی سیاست میں وہی جماعتیں کامیاب ہوں گی جو نوجوانوں کی امنگوں، عوامی توقعات اور بدلتے ہوئے سماجی و معاشی تقاضوں کو بہتر انداز میں سمجھ سکیں گی۔ انڈیا محاذ کے لیے حالات یقیناً آسان نہیں ہیں، لیکن سیاست میں مشکلات ہی نئے امکانات کی راہیں ہموار کرتی ہیں۔ اگر یہ اتحاد اپنی خامیوں کا دیانت داری سے جائزہ لے، اختلافات کو محدود کرے اور لوگوں کے مسائل کو اپنی جدوجہد کا محور بنائے تو دوبارہ ایک مؤثر قوت کے طور پر ابھر سکتا ہے۔ لیکن اگر ماضی کی طرح انا، باہمی رقابت اور وقتی مفادات غالب رہے تو اس کا مستقبل بھی غیر یقینی رہے گا۔ آج حزبِ اختلاف ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑی ہے۔ اس کے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ انتشار، کمزوری اور سیاسی تنہائی کی طرف جاتا ہے، جبکہ دوسرا اتحاد، عوامی جدوجہد اور نئے اعتماد کی جانب۔ آنے والے برسوں میں یہی طے ہوگا کہ مخالف جماعتیں کون سا راستہ اختیار کرتی ہیں۔ تاہم ایک حقیقت بالکل واضح ہے کہ جمہوریت میں سیاسی خلا زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتا۔ جو قوت لوگوں کے مسائل کو اپنی ترجیح بنائے گی، ان کی امیدوں کی ترجمان بنے گی اور بہتر مستقبل کا قابلِ اعتماد خاکہ پیش کرے گی، کامیابی بالآخر اسی کے حصے میں آئے گی۔

انڈیا محاذ کے لیے اصل امتحان اب شروع ہوا ہے۔ یہ امتحان محض انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کا نہیں بلکہ خود کو ایک سنجیدہ، ذمہ دار اور قابلِ اعتماد متبادل کے طور پر منوانے کا ہے۔ اگر یہ اتحاد اپنی خامیوں کا ادراک کرتے ہوئے عوامی توقعات اور زمینی مسائل کو اپنی جدوجہد کا مرکز بناتا ہے تو ہندوستانی سیاست میں ایک نئی سمت اور نئی بحث کی ابتداء کر سکتا ہے۔ لیکن اگر باہمی رقابت، قیادت کی کشمکش اور وقتی مفادات ہی غالب رہے تو اس کے امکانات محدود ہوتے جائیں گے

(خاموش حکمران زخمی امت اور جلتا ہوا فلسطین)

افضل حسین رضوی
مقیم حال کویت

تاریخ محض واقعات کا مجموعہ نہیں ہوتی، یہ دراصل انسانوں کے ضمیر کا ریکارڈ ہوتی ہے۔ ہر دور اپنے پیچھے یہ سوال چھوڑ جاتا ہے کہ کون حق کے ساتھ کھڑا ہوا اور کون خاموشی کی دیوار بن گیا۔ آج ہم بھی ایک ایسے ہی دور کے عینی شاہد ہیں جہاں ایک طرف فلسطین جل رہا ہے، دوسری طرف انسانیت زخمی ہے، اور تیسری طرف امتِ مسلمہ ایک بے سمتی کی کیفیت میں مبتلا ہے

فلسطین کی زمین کوئی عام خطہ نہیں۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں انبیاء علیہم السلام کے قدم پڑے، جہاں مسجد اقصیٰ ہے جو مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے، جہاں حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت عیسیٰ علیہم السلام جیسے برگزیدہ انبیاء کی تاریخ کے روشن نقوش موجود ہیں۔ یہی وہ سرزمین ہے جو صرف جغرافیہ نہیں بلکہ ایمان، تاریخ اور عقیدے کا ایک زندہ باب ہے

مگر افسوس! آج یہی مقدس سرزمین بارود، ملبے، چیخوں اور خون میں لپٹی ہوئی ہے۔ غزہ کے آسمان پر دھواں ہے، زمین پر لاشیں ہیں، اور فضاؤں میں معصوم بچوں کی چیخیں ہیں۔ وہ بچے جو کھلونوں کے بجائے ملبے کے نیچے اپنی سانسیں تلاش کر رہے ہیں۔ وہ مائیں جو گودوں میں لاشیں اٹھائے بھی دنیا سے انصاف کی بھیک مانگ رہی ہیں۔ وہ بوڑھے جو اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی امیدوں کو ایک لمحے میں دفن ہوتے دیکھ رہے ہیں

یہ کوئی نیا المیہ نہیں فلسطین کی تاریخ گزشتہ صدی سے مسلسل زخموں سے بھری ہوئی ہے (۱۹۱۷) کا اعلانِ بالفور ہو یا (۱۹۴۸) کی نکبہ (المیہ)، ہر موڑ پر فلسطینی قوم کو اپنی زمین، اپنے گھروں اور اپنی شناخت سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی۔ لاکھوں لوگ بے گھر ہوئے، بستیاں اجڑ گئیں، اور ایک پوری نسل جلاوطنی اور محاصرے کی زندگی میں دھکیل دی گئی

اس کے بعد کی دہائیاں جنگوں، انتفاضہ (Intifada) کی تحریکوں، محاصروں اور مسلسل مزاحمت سے بھری رہیں (۱۹۶۷) کی جنگ نے فلسطین کے زخموں کو اور گہرا کیا، اور پھر غزہ ایک ایسی کھلی جیل بن گیا جہاں زندگی سانس تو لیتی ہے مگر آزادی نہیں اور آج کا منظر یہ ہے کہ دنیا جدید تہذیب، انسانی حقوق، جمہوریت اور انصاف کے نعرے لگاتی ہے، مگر فلسطین میں انسانی جان کی قیمت سب سے کم ہو چکی ہے۔ ہسپتال بمباری کا نشانہ بنتے ہیں، اسکول ملبے میں بدل جاتے ہیں، اور امدادی قافلے بھی محفوظ نہیں رہتے ان سب کے درمیان ایک اور دردناک حقیقت یہ ہے: خاموشی مگر افسوس ہمارے ۵۷ اسلامی ممالک اور ان کے حکمران خاموش ہیں یہ کیسی خاموشی ہے جو مظلوم کی چیخ بھی نہیں توڑ سکتی؟ یہ کیسا سکوت ہے جو بچوں کی سسکیاں بھی نہیں چیر سکتیں؟

امت کا ایک حصہ خون میں ڈوبا ہوا ہے اور دوسرا حصہ مصلحتوں، بیانات اور اجلاسوں میں گم ہے یاد رکھو ظلم کے خلاف آواز اٹھانے میں جتنی دیر کی جائے گی، اتنی ہی زیادہ قربانیاں دینی پڑیں گی آج اگر غزہ جل رہا ہے اور ہم خاموش ہیں تو کل تاریخ ہماری اس خاموشی کو بھی ظلم کے شریکِ جرم کے طور پر یاد رکھ سکتی ہے مظلوموں کی آہیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں، اور تاریخ ہمیشہ یہ سوال پوچھتی ہے کہ جب حق پکار رہا تھا تو اہلِ حق کہاں تھے۔ بےغیرت حکمران کہاں تھے

دنیا خاموش ہے، ادارے خاموش ہیں، اور سب سے زیادہ افسوسناک یہ کہ امتِ مسلمہ کے بیشتر حکمران خاموش ہیں وہ حکمران جن کی ذمہ داری صرف تخت و تاج نہیں بلکہ امت کے حقوق کی حفاظت بھی تھی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب مسلم قیادت باوقار اور غیرت مند تھی تو ظلم کی طاقتیں سوچنے پر مجبور ہو جاتی تھیں

ایک وقت تھا جب صلاح الدین ایوبیؒ کی قیادت میں بیت المقدس دوبارہ آزاد ہوا، اور صلیبی طاقتیں پسپا ہو گئیں۔ اس دور میں قیادت صرف سیاسی نہیں بلکہ ایمانی غیرت کی نمائندہ تھی۔ مگر آج صورتحال مختلف ہے۔ آج ایوانوں میں طاقت ہے مگر جرات کمزور، وسائل ہیں مگر فیصلہ مصلحتوں کے قیدی، اور بیانات ہیں مگر عملی قدم غائب

یہ خاموشی صرف سیاسی ناکامی نہیں، یہ اخلاقی دیوالیہ پن ہے۔ کیونکہ جب ایک بچہ ملبے تلے دم توڑ رہا ہو اور طاقت رکھنے والے محض الفاظ کی حد تک محدود رہیں، تو یہ صرف سفارت کاری نہیں رہتی، یہ ضمیر کا سوال بن جاتا ہے

امتِ مسلمہ بھی اس صورتحال کی ایک اہم کڑی ہے۔ آج مسلمان تعداد میں سب سے زیادہ ہیں، مگر اثر میں کمزور۔ ہماری مسجدیں آباد ہیں مگر دل منتشر ہیں۔ ہماری عبادات موجود ہیں مگر اجتماعی شعور کمزور ہے۔ ہم جذبات رکھتے ہیں مگر انہیں اتحاد میں بدلنے سے قاصر ہیں۔ ہم سوشل میڈیا پر غم کا اظہار کرتے ہیں، مگر زمینی سطح پر کوئی مشترکہ آواز نہیں بن پاتے

یہ حقیقت بھی ہمیں تسلیم کرنی ہوگی کہ ہماری کمزوری صرف بیرونی طاقت نہیں بلکہ اندرونی انتشار ہے۔ فرقہ واریت، قومی تعصبات، سیاسی تقسیم اور ذاتی مفادات نے امت کے جسم کو اندر سے کمزور کر دیا ہے

فلسطین آج صرف ایک قوم کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری امت کا امتحان ہے یہ امتحان ہمارے ایمان کا بھی ہے، ہماری انسانیت کا بھی ہے، اور ہماری غیرت کا بھی۔ کیونکہ جو امت اپنے قبلۂ اول کی حفاظت کا درد محسوس نہ کرے، وہ اپنے وجود کے مقصد سے دور ہو جاتی ہے

پھر سوال یہ ہے کہ تاریخ ہمیں کس صف میں کھڑا لکھے گی؟

کیا ہم ان لوگوں میں ہوں گے جو صرف تماشائی بنے رہے؟

یا ان میں جو حق کے لیے آواز بنے؟

فرعون کی طاقت ختم ہوگئی، نمرود کی بادشاہی مٹ گئی، اور بڑے بڑے جابر حکمران تاریخ کے صفحات میں عبرت بن گئے۔ مگر حق کے ساتھ کھڑے ہونے والوں کے نام آج بھی زندہ ہیں آج فلسطین کے نہتے لوگ ہمیں صبر، استقامت اور ایمان کا درس دے رہے ہیں۔ وہ ملبے کے نیچے بھی اللہ کی کبریائی کو نہیں بھولتے۔ وہ اپنی لاشوں کے ساتھ بھی اپنی امید کو دفن نہیں کرتے۔ ان کا وجود ایک اعلان ہے کہ ظلم کتنا ہی بڑھ جائے، حق کبھی ختم نہیں ہوتا

یہ وقت صرف جذبات کا نہیں، شعور کا ہے۔ صرف تقریروں کا نہیں، عمل کا ہے۔ صرف افسوس کا نہیں، بیداری کا ہے۔ امتِ مسلمہ کو اپنے اختلافات سے اوپر اٹھ کر ایک مشترکہ موقف، ایک مشترکہ آواز اور ایک مشترکہ ضمیر بننا ہوگا

کیونکہ تاریخ ہمیشہ یہ نہیں پوچھتی کہ تم کتنے تھے، وہ یہ پوچھتی ہے کہ تم کہاں کھڑے تھے

اللہ تعالیٰ فلسطین کے مظلوموں کی مدد فرمائے، امتِ مسلمہ کو اتحاد عطا فرمائے، اور ہمیں حق کے ساتھ کھڑا ہونے کی توفیق دے آمین

ہمارے بچپن کا جمعہ

ٹی ایم ضیاء الحق

اسلام کی بنیاد نظم وضبط (ڈسپلن) پر قائم ہے اور ڈسپلن صرف ایک عادت نہیں بلکہ ایک طرزِ زندگی ہے۔ نمازوں کے اوقات ہوں، روزے کا نظام ہو، زکوٰۃ کی ادائیگی ہو یا حج کے مناسک، اسلام اپنے ماننے والوں کو زندگی کے ہر شعبے میں وقت کی پابندی، نظم اور اجتماعی شعور کا درس دیتا ہے۔ انہی اسلامی تعلیمات کا سب سے خوبصورت مظہر جمعہ کا دن ہوا کرتا تھا، جب پورا محلہ ایک خاص نظم وضبط اور روحانی فضا میں ڈھل جاتا تھا۔

آج جب ماضی کے دریچے کھولتا ہوں تو بہار کے ضلع گیا کی گلیاں، محلے، مسجدیں، دوست احباب اور جمعہ کی وہ روح پرور ساعتیں پوری تازگی کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہیں۔ ہمارا بچپن گیا شہر کے دو قدیم محلّوں، نئی کریم گنج اور پرانی کریم گنج میں گزرا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب زندگی میں سادگی تھی، تعلقات میں خلوص تھا اور مذہبی شعائر سے ایک فطری وابستگی پائی جاتی تھی۔

جمعہ ہمارے لیے محض ایک عبادت کا دن نہیں تھا بلکہ پورے ہفتے کا سب سے اہم، بابرکت اور منتظر دن ہوا کرتا تھا۔ جمعہ مسلمانوں کے لیے ایک چھوٹی عید کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی لیے اس دن گھر کے ماحول میں بھی ایک خاص خوشی اور تازگی محسوس ہوتی تھی۔ کھانے پینے کا اہتمام عام دنوں کے مقابلے میں کچھ بہتر ہوتا تھا۔ گھر کی خواتین خصوصی توجہ کے ساتھ کھانا تیار کرتیں اور دسترخوان بھی روزمرہ کے مقابلے میں زیادہ پُررونق نظر آتا۔ یوں عبادت، روحانیت، خاندانی اجتماع اور بہتر کھانے کا امتزاج جمعہ کے دن کو واقعی ایک چھوٹی عید کا رنگ دے دیتا تھا۔

اس دن کی تیاری دراصل جمعرات ہی سے شروع ہو جاتی تھی۔ گھر کے بڑے اس دن کی عظمت کا خاص خیال رکھتے تھے اور بچوں کو بھی اس کی اہمیت کا احساس دلاتے تھے۔ جمعرات کی شام ہی کو ہمارا کرتا پاجامہ دھل کر اور استری ہو کر تیار ہو جاتا۔ سر پر کبھی کالی رامپوری ٹوپی ہوتی اور کبھی لکھنوی ٹوپی۔ گویا اُس دور کے عام مسلمانوں کا ایک غیر تحریری "جمعہ ڈریس کوڈ" تھا۔ محلے کے بیشتر لوگ اسی لباس میں مسجد کا رخ کرتے تھے۔

جمعہ کی صبح ایک خاص چہل پہل کے ساتھ طلوع ہوتی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد ہی گھر میں ایک الگ سی مصروفیت شروع ہو جاتی۔ غسل کا اہتمام کیا جاتا، کپڑے نکالے جاتے اور خوشبو لگائی جاتی۔ ہم بچے بھی غیر معمولی جوش و خروش کے ساتھ تیاری کرتے اور اذانِ جمعہ سے کافی پہلے تیار ہو کر بیٹھ جاتے۔ دل میں ایک عجیب سی خوشی اور روحانی مسرت ہوتی تھی جو صرف جمعہ کے دن محسوس ہوتی تھی۔ اُس زمانے میں نہ موبائل فون تھے، نہ سوشل میڈیا اور نہ ہی تفریح کے لاتعداد ذرائع۔ اس لیے چھوٹی چھوٹی خوشیوں کی اپنی ایک الگ ہی اہمیت تھی۔

نئی کریم گنج کی مسجد ہمارے محلے کی دینی اور روحانی زندگی کا ایک اہم مرکز تھی۔ اس مسجد میں حضرت مولانا حکیم سید امین الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ امام و خطیب تھے۔ نہایت نفیس مزاج، دبلے پتلے جسم کے مالک اور باوقار شخصیت کے حامل تھے۔ شیروانی زیبِ تن کیے، ہاتھ میں عصا لیے جب وہ ممبر کی جانب تشریف لاتے تو مسجد کا ماحول اور بھی پُروقار ہو جاتا۔ ان کی سنجیدگی، متانت اور اندازِ خطابت نمازیوں کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑتا تھا۔ خطبے کے دوران مسجد میں ایسی خاموشی چھا جاتی کہ گویا ہر شخص پوری توجہ سے ان کی باتوں کو اپنے دل میں اتار رہا ہو۔

حضرت مولانا حکیم سید امین الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق بہار کے ضلع نوادہ کے گاؤں بڈوسر سے تھا۔ آپ نے نئی کریم گنج کی مسجد میں طویل عرصے تک امامت و خطابت کی خدمات انجام دیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ ایک مکتب اور مطب بھی چلاتے تھے۔ دین اور دنیا، دونوں میدانوں میں آپ کی خدمات نمایاں تھیں۔ ایک طرف آپ بچوں کو قرآنِ کریم اور دینیات کی تعلیم دیتے تھے، تو دوسری طرف اپنے حکیمانہ علم اور تجربے سے لوگوں کا علاج بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دستِ شفا عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ لوگ جسمانی بیماریوں کے علاج کے لیے بھی آپ کے پاس آتے اور روحانی سکون و رہنمائی کے متلاشی بھی آپ ہی کے در پر حاضر ہوتے۔ آپ کی شخصیت میں ایک عالمِ دین کا وقار، ایک استاد کی شفقت اور ایک معالج کی ہمدردی یکجا ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ محلے اور اطراف کے علاقوں میں آپ کو بڑی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

حضرت مولانا حکیم سید امین الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، لیکن ان کی یادیں، خدمات اور اس کے علاوہ تربیت یافتہ افراد آج بھی ان کے زندہ نقوش ہیں۔ اپنے پیچھے آپ چار بیٹوں اور دو بیٹیوں پر مشتمل ایک بھرپور خاندان چھوڑ گئے۔ آپ کے بے شمار شاگرد اور مستفیدین بھی آپ کا قیمتی سرمایہ ہیں، جو آج ڈاکٹر، انجینئر، اساتذہ، سرکاری افسران اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آج بھی جب ان کے شاگرد اپنے استاد کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ انہیں اپنے استاد کی شفقت، دعا، نصیحت اور تربیت کے وہ دن یاد آ جاتے ہیں جنہوں نے ان کی زندگی کی سمت متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

جمعہ کے دن ہماری ایک مخصوص ٹولی بھی ہوا کرتی تھی۔ سید محمد متین الدین، افروز عالم، اعجاز سلطان اور دیگر دوستوں کے ساتھ میں بھی اس حلقے کا ایک رکن تھا۔ ہم سب تقریباً ایک ہی عمر کے تھے اور جمعہ ہمارے لیے عبادت کے ساتھ ساتھ ملاقات اور رفاقت کا دن بھی ہوتا تھا۔ مسجد جاتے ہوئے راستے بھر گفتگو ہوتی، کبھی اسکول کے قصے بیان ہوتے، کبھی محلے کے حالات زیرِ بحث آتے اور کبھی آئندہ ہفتے کے منصوبے بنتے۔ لیکن جیسے ہی مسجد کا دروازہ سامنے آتا، سب کے چہروں پر سنجیدگی آ جاتی اور ہم ادب و احترام کے ساتھ اندر داخل ہوتے۔

پرانی کریم گنج کی مسجد کا ماحول بھی اپنی مثال آپ تھا۔ اس مسجد کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ دن کے کسی بھی وقت وہاں چلے جائیں، کوئی نہ کوئی قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہوا ضرور مل جاتا تھا۔ تلاوت کی آواز مسجد کے ماحول میں ایک روحانی کیفیت پیدا کر دیتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ مسجد صرف نماز کے لیے نہیں بلکہ ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن کی دائمی محفل ہو۔

جاری ----

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810